# عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ناشر

حبیب اینڈ کمپنی کٹل منڈی اسٹیشن روڈ حیدرآباد

مکان نمبر 5-4-677

قیمت دو۲ روپے

# عہد نبوی کا نظام تعلیم

از

## ڈاکٹر محمد حمید اللہ

طباعت دہم

سنہ ۱۳۹۶ھ م ۱۹۷۶ء

# تفصیل طباعت


پہلی بار (انگریزی) رسالہ اسلامک کلچر، حیدرآباد سنہ ۱۹۳۹ء

دوسری بار (اردو) رسالہ معارف اعظم گڑھ سنہ ۱۹۴۱ء

تیسری بار (اردو) مستقل کتاب کے طور پہ اعظم گڑھ سنہ ۱۹۴۱ء

چوتھی بار (اردو) رسالہ نظامیہ حیدرآباد سنہ ۱۹۴۲ء

پانچویں بار (اردو) بصورت کتاب ادارۂ ترقی تعلیم اسلامی حیدرآباد سنہ ۱۹۴۳ء

چھٹی بار (اردو) درضمن کتاب "عہد نبوی کا نظام حکمرانی" دہلی سنہ ۱۹۴۶ء

ساتویں بار (اردو) ایضاً اشاعت دوم حیدرآباد سنہ ۱۹۴۷ء

آٹھویں بار (فرانسیسی) مولف کی فرانسیسی سیرۃ نبویہ کے ایک باب کے طور پر پاریس سنہ ۱۹۵۹ء

نویں بار (اردو) حیدرآباد سنہ ۱۹۶۹ء

دسویں بار (اردو) موجودہ اشاعت حیدرآباد سنہ ۱۹۷۶ء

یادداشت: ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ فرق و اضافہ کے ساتھ

# فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دیباچہ اشاعت نہم

تیس برس ہوگئے جب میں نے ابتداء ۱۹۳۹ء میں اس موضوع پر چند صفحے قلم برداشتہ تحریر کئے تھے، کئی بار ان کی نظر ثانی ہوئی، کبھی انگریزی، کبھی اردو، کبھی فرانسیسی میں، ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ اضافے اور ترمیم کے ساتھ۔ ان معلومات کی اشاعت ہوتی رہی، خود اردو میں، میرے علم کی حد تک یہ ساتویں بار ہے کہ اس کی چھپائی عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اس نئی طباعت سے فائدہ اٹھا کر کچھ نئی چیزیں بڑھائی جا رہی ہیں، حوالوں کی کچھ طباعتی غلطیاں درست کی گئی ہیں (جو خدا کرے درست چھپیں) اور اس کا پہلے سے بھی زیادہ یقین ہو گیا ہے کہ دردمندان ملت کو اس موضوع پر سر جوڑ کر تلاش اور غور کی ضرورت ہے۔

زمانہ جاہلیت کے عربوں کو بین الممالک تعلقات میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے ان کو وہ قوت اور فوقیت عطا کی کہ صدیوں دنیا کی سب سے اہم، اور تہذیب و تمدن میں سب سے

پیش پیش قوم شمار ہوئے اور دنیا کے قائد بنے رہے اور قائد بھی ایسے خدا ترس اور رعایا پرور نیز منصف مزاج کہ ہندیوں کو سوا راج (خود حکومتی) کا موقع ملا تو ہندو وزیروں کو ان کے رہبر اعلیٰ گاندھی جی نے بے اختیار یہ نصیحت کی کہ "خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرو"۔ مگر خود خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ماہتاب وار کسی اور ہی آفتاب کی روشنی کے پرتو فگن تھے "لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

ہماری آنکھوں کے سامنے نوعمر روسی قوم نے چالیس ہی سال میں جو حیرت انگیز ترقی کرلی، اس کا راز معلوم کرنا اور "خذ ما صفا دع ما کدر" پر عمل کرنا اس بنا پر ضروری ہوگیا ہے کہ نبی امی روحنا فداہ کا ارشاد رہا ہے کہ "اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَيْنَمَا وَجَدَهَا اَخَذَهَا" (حکمت آمیز بات مسلمان کا مال گم گشتہ ہے کہ جہاں پائے لے لیتا ہے۔ بحوالہ ترمذی ابن ماجہ)

علم سیکھنے کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں، اپنے اور خدا کے تعلقات ہوں کہ اپنے اور دیگر انسانوں کے، ہر چیز میں فرض شناسی اور خدا کا ڈر — یہ ہے خلاصہ عہد نبوی کے نظام تعلیم کا اور اسی کا نچوڑ ہے۔ یہ مقولہ کہ:
"رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ"

ڈاکٹر محمد یوسف الدین اعزازی معتمد اسلامک پبلیکیشنز سوسائٹی (رجسٹرڈ) اور ناشر الہدیٰ بک ایجنسی حیدرآباد میری اس ناچیز تالیف کی ہمت افزائی کر رہے ہیں ان کی شکر گزاری بھی میرا فریضہ ہے۔

پاریس فرانس
۱۶ محرم سنہ ۱۳۸۹ھ

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیباچہ اشاعت دہم

رَبِّ زِدْنِی عِلْماً۔

آج سے پورے ۳۷ سال قبل میرے نانا مولوی حبیب اللہ صاحب کے بھائی ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے "عہد نبوی کے نظام تعلیم" پر ایک معلومات آفریں مضمون لکھا۔ کئی بار اس کی نظر ثانی ہوئی، کبھی انگریزی میں کبھی فرانسیسی میں، کبھی اردو اور کبھی ترکی میں کتابی شکل میں شائع ہوتی رہی اور ہر مرتبہ ڈاکٹر صاحب مدظلہ اس میں اضافہ فرماتے رہے ہے اب دسویں مرتبہ حبیب کمپنی سے اردو میں سواں اڈیشن شائع ہو رہا ہے

آج سے سات سال قبل نواں اردو اڈیشن الھدیٰ بک ایجنسی گیلانی اسکول آف پرنٹنگ جگر روڈ حیدرآباد، اور حبیب کمپنی حیدرآباد کے تعاون سے شائع ہوا تھا، ڈاکٹر صاحب کی اس بے نظیر کتاب کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کو اپنی تعلیمی ترقی پر زیادہ سے زیادہ توجہ کرنے کا موقع ملا۔

نواں اڈیشن حسب توقع ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے چھٹے سالانہ کانفرنس کے اجلاس بڑے زور شور سے سارے شہر بلدہ حیدرآباد میں ہو ہوا ہے ہیں۔ خیال ہوا کہ اس مبارک موقع پر اس کتاب کو شائع کر دو لیکن وقت کم تھا، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حد سے زیادہ مصروف رہتے ہیں۔ پیرس سے تصحیح ہوکر آنے اور شائع ہونے میں دیر لگتی تھی،

اسلاف کا طریقہ ہیں نے بھی اختیار کیا، مسلمان عالم ایک کتاب لکھتا اور پھر اس کا شاگرد یا شاگرد کا شاگرد حاشیہ لکھتا، ڈاکٹر صاحب کے بہت سے شاگرد بلدہ حیدرآباد میں ہیں لیکن ڈاکٹر محمد یوسف الدین ایم۔اے، پی ایچ ڈی سابق صدر شعبہ مذہب و ثقافت کو فخر حاصل ہے کہ بچپن سے ڈاکٹر صاحب کے شاگرد رہے۔ اور اب بھی علمی تحقیق میں وہ ڈاکٹر صاحب سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں لہذا خیال ہوا کہ کیوں نہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے شاگرد رشید سے حاشیہ لکھوا لیا جائے۔ ڈاکٹر محمد یوسف الدین نے میری خواہش کو قبول کیا اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے اصل متن کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا ہے اور ڈاکٹر محمد یوسف الدین نے جہاں کہیں حاشیہ کا اضافہ کیا ہے کمال دیانت سے بتا دیا ہے کہ یہ حاشیہ ڈاکٹر یوسف الدین کی طرف سے ہے۔

آخر میں کاتب صاحبان، شاہی بک ڈپو چارکمان اور پرنٹنگ پریس ہر ایک کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فقط

ناشر

محمد کمال الدین

بن

احمد جلال الدین مرحوم

۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم

**تمہید** افراد کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں، بعض موجد ہوتے ہیں بعض محض مشاہدے ہی پر سمجھ جاتے ہیں کہ کیا اور کس طرح کیا جائے۔ کچھ غبی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بتانے پر بھی نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ لیکن بڑی اکثریت انسانی سماج میں ایسے لوگوں کی ہے جو بتاؤ تو سمجھ جاتے ہیں، چلتے انجن میں لگاؤ تو چلتے بھی ہیں ورنہ ٹھہرے رہ جاتے ہیں۔ علم میں بھی عمل میں بھی۔ چونکہ مٹھی بھر ذہین اور مٹھی بھر غبی لوگوں کو چھوڑ کر سارے ہی انسان ایسے ہوتے ہیں اس لئے ضرورت تھی کہ ان کی تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام کیا جائے، جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تعلیم کی تکمیل کرنے کا موقع ملا اور حکومت کی باگ بھی آپ کے قدموں میں آپڑی تو فوراً اس کا ایک ملک گیر نظام قائم فرما دیا اور ارشاد ہوا، جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، کہ میری بعثت و نبوت کا مقصد ہی تعلیم دینا ہے، دوسرے الفاظ میں اسلام مترادف ہے علم و عمل کا ۔

خدا نے انسان کو اس کے اعمال کا ذمہ دار اور جواب دہ قرار دینا چاہا تو

حکمت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ دنیا عالم اسباب ہو، اور ہر چیز سعی پر مبنی ہو۔ "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا" "خدا کی سنت بدلے گی نہیں۔ قطرہ آغاز میں انفرادی طور پر حقیر ہوتا ہے لیکن کیا قطروں ہی کو جمع کرنے سے صراحی نہیں بھرتی؟ اور اینٹوں ہی کو جمانے سے عمارت نہیں بنتی؟ ہمارا مقصد ناصحانہ نہیں، مورخانہ ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب محض بے علم اور جاہل تھے۔ ایک کتاب بھی ان کی زبان میں نہ تھی لیکن دو صدیاں بھی نہ گذریں کہ کسی بیرونی مدد، کسی اجنبی مشیر کے بغیر ان کی زبان دنیا کی "علمی زبانوں" میں سے ایک ہو گئی۔ تھوڑا سا زمانہ اور گذرا اور پھر وہ دنیا کی نہ صرف سب سے متمول علمی زبان بن گئی بلکہ بین الممالک علمی بولی بھی کہ غیر عرب بھی اسی کو پڑھتے، بارہا اسی میں لکھتے، مگر یہ نتیجہ تھا، اس کا سبب معلوم کرنا ہمارا مقصد ہے، کچھ تو زمانہ جاہلیت کے حالات کی جانچ کرنی پڑے گی کہ پس منظر کا کام دیں اور پھر آغاز اسلام یعنی عہد نبوی کے ارتقا کا تفصیل سے مطالعہ کرنا ہوگا کہ بعد کے پھلنے، پھولنے کا اصل باعث یہی تھا۔

## عرب بائدہ

بہت پرانے زمانے میں لحیان، معین اور سبا نے معلوم ہوتا ہے کہ وسطی اور جنوبی عرب میں تہذیب و تمدن کی خاصی آبیاری کی تھی، کھدائیوں میں ملے ہوئے آثار قدیمہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روما بلکہ اثینا (ایتھنس)، کے بسنے سے بھی پہلے اوجِ عروج کو پہونچ چکے تھے۔ لیکن ساتویں صدی عیسوی کے آغاز پر اسلام نے عرب میں جنم لیا تو یہ قومیں عرصہ دراز سے ناپید ہو چکی تھیں اور ان کے آثار تک مٹ چکے تھے۔ (اسی لئے ان کو بائدہ کہتے ہیں) ان کی زبان اور خط بھی آغاز اسلام کے عربوں کے لئے ناقابلِ فہم

بن چکے تھے، چونکہ ان کا کوئی اثر براہِ راست اسلام پر نہیں پڑا اس لیے ان کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ کچھ نہیں تو حضرت مسیح سے بھی ہزار، ڈیڑھ ہزار سال پہلے کے واقعات ہیں، ہم عرب جاہلیہ پر اکتفا کریں گے۔

## عرب جاہلیہ

زمانہ جاہلیت سے مراد زیادہ تر چار پانچ سو سال کی مدت ہوتی ہے جو اسلام سے پہلے عرب میں گذری۔ اس دور کے بڑے قبیلے آغازِ اسلام تک موجود تھے اور ان کی جیتی جاگتی روایتیں [illegible] ہی سبھی برقرار تھیں، اسلام مکے میں پیدا ہوا اور مکہ عرب میں ہے۔

عرب اور خاص کر مکہ معظمہ کی معاشرتی حالت کا جو قبل اسلام پائی جاتی تھی۔ اگر قریب سے مطالعہ کیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں میں غیر معمولی صلاحیتیں موجود تھیں۔ جب اسلامی تعلیمات نے ان صلاحیتوں کو صیقل کیا تو انہوں نے اپنی اپج اور زود کاری کی قابلیت سے دنیا کو حیران کر دیا۔ جب "جدت اور حرکت کے مذہب" یعنی اسلام نے ان کی توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور ان میں مزید کچھ قوت بھی پیدا کی تو یہی عرب اس قابل ہو گئے کہ ساری دنیا کو مبارزت دیں اور وقتِ واحد میں اس وقت کی دو عالمگیر سلطنتوں یعنی ایران اور روم (بیزنطیہ، قسطنطنیہ) سے تن تنہا مقابلہ کر کے دونوں کو اپنا زیرِ نگیں کر لیں، اور اس پر بھی اکتفا نہ ہو بلکہ رسول اکرمؐ کی وفات کے پندرہ ہی سال بعد پرانی دنیا کے تینوں براعظموں پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جائیں۔

۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ کی مدینے سے چلی ہوئی فوجیں ایک طرف سارے

شمالی افریقہ سے گذر کر اندلس (اسپین) میں داخل ہو گئیں تو دوسری طرف سندھ و گجرات ہی نہیں ماوراء النہر میں بھی گھس کر چین تک پہنچ گئیں، جیسا کہ طبری اور بلاذری کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے۔

نابولیوں (نپولین) کو ابتدائی مسلمانوں، خاص کر پیغمبر اسلام کی شخصیت اور حضرت عمرؓ اور عبدالملک بن مروان کی جہاں گیری پر رشک تھا اور سینٹ ہیلینا کی قید و جلاوطنی کے زمانے میں اپنی جو یادداشتیں[1] [illegible] لکھیں، ان میں وہ خیال کرتا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تیرہ سال میں دنیا کا جو نقشہ بدلا، اور آپ کے جانشینوں نے مٹھی بھر اور جاہل بدویوں کی مدد سے متمدن اور کثیر وسائل کے حامل یورپ (بیزنطینی رومیوں) کو جو شکست فاش دی بلکہ ساری دنیا کا نقشہ بدل ڈالا، وہ کوئی محض اتفاقی واقعہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ کہ شاید اس کے نامعلوم اسباب میں یہ بھی ہو کہ زمانہ جاہلیت کی خانہ جنگیاں عربوں کے کردار کو بنانے اور ان میں حیرت انگیز قوت برداشت اور دیگر اعلیٰ مہمات پسند قابلیتیں پیدا کرنے میں ممد و معاون رہی ہوں۔

میں نے بعض مستقل مقالوں میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عرب کی کثیر خانہ جنگیوں اور بے حد شدید بدامنی کے باوجود کس طرح قریش مکہ نے جزیرہ نمائے عرب میں ایک معاشی وفاق پیدا کر دیا تھا[2] (جو عہد اسلام کی سیاسی وحدت کا پیش خیمہ تھا)،

---

۱ Memorial de Sainte Helene. (Paris 1923) vol iii p 102-105

۲ میری ناچیز تالیف "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" (باب: "جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر مملکت اسلامیہ کے قیام پر") نیز میرا مقالہ الایلاف:
ایلاف Al-Ilaf on les supports economics displomatiques dela Macque Pre Islamic (dans. Melanges Massignon 1957)

اُسی طرح ہیجانہ بدوشی اور نراج دلاحکومتی ) کے ماحول میں شہری مملکت مکہ کا دستور[1] ہمیں بہر دم تھنے پر مجبور کرتا ہے (اور یقیناً وہیں کی کارکردگی سے انہیں اس بات کی تربیت ملی تھی کہ عہد اسلام میں ایک عالم گیر شہنشاہی کے نظم و نسق کو چلا سکیں ) ان کا اثر عربوں کی تعلیمی حالت پر بالواسطہ پڑا ہوگا لیکن اس سے قطع نظر خالص علمی حالات کی تحقیق بھی ضروری ہے، کام اچھوتا ہے مواد کم اور منتشر، مگر بہرحال اس کی تلاش و فراہمی کا آغاز ہونا چاہیے تاکہ اس بیج اور اس کونپل کا پتہ چلے جس نے عہد نبوی اور اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تناور درخت کی صورت اختیار کی، اور پھلا پھولا اور آج تک جس کے اثرات برقرار ہیں:

# قبلِ اسلام کا عربی علم

مواد کی تلاش میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں تحریر و تدوین کا رواج نہ تھا[2]، پرانی سینہ بہ سینہ آنے والی روایتوں

---

[1] مذکورہ بالا "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" دباب: "شہری مملکت مکہ) [سیرۃ ابن ہشام میں دستور کا عربی متن موجود ہے] اس مستند کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے!

[2] ایک حدیث ہے "إنّا أُمّة أمّية لا نكتب ولا نحسب" (ہم ایک اُمّی قوم ہیں، لکھنا اور حساب کرنا ہمیں نہیں آتا) (صحیح بخاری، صوم ۱۳، صحیح مسلم، صیام ۱۵، سنن ابوداؤد، صوم ۴، سنن نسائی صیام ۱۷، مسند ابن حنبل (طبع جدید) نمبر ۵۱۳۷، ۶۰۴۱، ۶۱۲۹، جامع البیان العلم لابن عبدالبر، ۱/ ۶۹

کو ابتدائے اسلام میں جمع کرنے کی کافی کوشش ہوئی لیکن ہلاکو خان وغیرہ نے بغداد اور قرطبہ میں لاکھوں کروڑوں کتابیں ایسے زمانے میں تباہ کیں جب فن طباعت سے ابھی کتابیں چھاپنے کا کام نہیں لیا جانے لگا تھا۔ کچھ بچی کھچی چیزوں میں ریزہ ریزہ تلاش (جو ایک آدمی کا کام نہیں) اور کچھ استنباط و قیاس کے نتائج پیش کئے جاتے ہیں :-

**زبان**

اولاً ان کی زبان کو لیجئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ کوئی زبان، اپنے لغات، محاورات اور ادبی کمالات میں اس زمانے میں ترقی کرتی ہے جب اس کے بولنے والوں کا تمدن عروج پر ہو، جب اس کے ہاں بلند پایہ مفکرین اور ہر علم و فن سے شغف ہو! اور یہ کہ اس سے پہلے اس زبان کی حالت اتنی پست ہوتی ہے کہ اس کو چرند و پرند کی آواز سے کچھ ہی بلند قرار دیا جا سکتا ہے، اس وقت اس بولی میں نہ تو بلند خیالات ادا کئے جا سکتے ہیں اور نہ روزمرہ ضرورتوں کے سوا اس میں کوئی علوم و فنون ہل سکتے ہیں، اگر اس معیار پر اسلام سے عین پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے تو ہم اس کی نزاکت و لطافت، الفاظ و لغات کی کثرت، قواعد صرف و نحو کے استحکام اور خاصے عمدہ معیار کے ذخیرۂ اشعار کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہیں کسی منظر، کسی جانور، کسی پودے کا ذکر یہ بدوی کچھ اتنے جامع و مانع الفاظ میں کرتے ہیں کہ بعد کے لغت نویسیوں کو من و عن نقل کر دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مستند عربی زبان مسلمان عربوں کے نزدیک زمانۂ جاہلیت کی زبان ہے۔ اسلامی تمدن کے عہد زرین کی زبان کو یہ حیثیت حاصل نہیں،

اگر ہم زمانۂ حال کی کوئی زبان مثلاً جرمن، روسی، فرانسیسی یا انگریزی
کو اور ان کے دو مؤلف جن میں مثلاً ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ حائل ہو تو
ایک ہی زبان کے یہ دو مؤلف ایک دوسرے کو بالکل نہیں سمجھیں گے۔
اس کے برخلاف شاعر امرؤ القیس کی زبان اور قواعد صرف و نحو بالکل وہی
ہیں جو مثلاً زمانۂ حال کے مصری شعراء شوقی اور حافظ کے ہیں، قرآن و
حدیث اسی "جاہلی زبان" میں ہیں، جس پر عربی شہنشاہی (خلافتی)
دَور کے تمدن نے اثر ڈالنے کا کوئی موقع نہ پایا تھا، قرآن و حدیث زمانۂ
جاہلیت میں پیدا شدہ بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ میں آتے تھے،
جتنا کسی جدید عربی کے متعلم کو خطبات نبوی اور بغداد سے لے کر رباط تک
لاسلکی (راڈیو) نشریات کی زبان میں کوئی فرق نہیں، غرض اب سے
پندرہ سو برس پہلے ہی عربی اتنی مستحکم و متعین ہو چکی تھی کہ آج تک
اس کی لغت اس کی صرف و نحو تو کیا، اس کا تلفظ یعنی الفاظ
کا املا تک نہیں بدلا (تعلیم یافتہ اور جاہل کی بولیوں کے فرق سے
یہاں بحث نہیں، یہ فرق تب بھی تھا اور اب بھی ہے) ان سب سے
بڑھ کر حیرت ناک بات یہ ہے کہ اس بے علمی اور جہالت کے زمانے
کا ذخیرۂ الفاظ اتنا وسیع اور ایسے ایسے نازک فرقوں پر مشتمل
ہے کہ نہ صرف ان کی قوت مشاہدہ کی داد دینی پڑتی ہے بلکہ اس
کو خود زمانۂ حال کی ترقی یافتہ مغربی زبانوں کے سامنے بھی ترجمانی
کی کوئی ضرورت نہیں نظر آتی (مترادفات کی بھی بڑی

کثرت ہے۔ یہ شاعروں کی ضروریات عروضی کو عمدگی سے پوری کرتے ہیں تو خطیبوں کو موقع و محل کے لحاظ سے معانی میں "طنطنہ" الفاظ سے زورِ بیان پیدا کرنے میں سہولت ہوتی ہے)

---

۱۔ کبھی کبھی مجھے یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ عرب لغت نویسوں نے جب الفاظ جمع کرنے شروع کئے تو انہوں نے فراخدلی دکھائی اور صرف کسی ایک مقام مثلاً حجاز کی بولی کو معیاری یا ٹکسالی قرار دے کر دوسرے مقاموں: یمن، نجد وغیرہ کے الفاظ اور محاوروں کو حقارت کے ساتھ رد نہیں کر دیا۔ اشعارِ جاہلیت بھی ہر علاقے کے تھے اور ان کی تشریح و تفہیم کے لئے ان کے الفاظ کو لغت میں داخل کئے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ یمنی کا واقعہ (صحیح بخاری کتاب ۶۰ "انبیاء"۔ ۴۰ حدیث نمبر ۴، نیز کتاب ۸۵ "فرائض" باب ۳۰) مشہور ہے: ایک دن مدینہ منورہ میں رسول اکرمؐ نے ان سے کہا۔ "سِکّین" تو سمجھ نہ سکے اور پوچھا "سکین کیا چیز ہے؟ فرمایا "مُدیہ" (دونوں کے معنے ہیں چھری) ابوہریرہ کہتے ہیں مجھے پہلی مرتبہ اس دن معلوم ہوا کہ "مدیہ" اور "سکین" مترادف الفاظ ہیں۔ غرض جب لغت نویسوں نے سارے ہی علاقوں اور سارے ہی قبیلوں کے الفاظ بے تکلف اپنی تالیفوں میں داخل کر لئے اور ان کو یکساں طور پر فصیح اور ٹکسالی قرار دے دیا تو ناگزیر مترادفات کی کثرت ہوگئی اور شاید کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان ایک زبان نہیں ہے بلکہ جزیرہ نمائے عرب کی بکثرت بولیوں کے "وفاق" پر مشتمل ہے (اس "وفاق" میں الفاظ سے بحث ہے تلفظی اختلافات اور صرفی نحوی فروق سے نہیں۔ اس بارے میں حجازی اور خاص کر مکی بولی کو کسوٹی بنائے بغیر چارہ نہ تھا)

ان کی تفصیلیں یہاں غیر ضروری ہوں گی، ہر عربی داں ان سے واقف ہے، میرا منشاء صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی زبان جس پختگی اور وسعت سے بہرہ ور ہو چکی تھی اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس زمانے میں اس زبان کے بولنے والوں میں ادبیات کی بڑی صلاحیتیں بھی رہی ہوں اور بڑے چرچے بھی۔

## زمانۂ جاہلیت کی نظم و نثر

زمانۂ جاہلیت کی طرف منسوب نظم و نثر کی جو یادگاریں ہم تک پہونچی ہیں ان میں قصیدے، مرثیئے، بچوں کی لوریاں اور دیگر اصناف کی بے شمار نظمیں بھی ہیں اور بہت سے خطبوں یا تقریروں کے اقتباسات، ضرب المثلیں، کاہنوں اور ہاتفوں کی غیب گوئیاں، حکموں (حاء کے زیر سے یعنی پنچ یا ثالث) کے فیصلے، پانی اور چراگاہ کی تلاش میں گئے ہوئے رائدوں کی رپورٹیں، موسموں سے متعلق کہاوتیں وغیرہ بھی کثیر تعداد میں ہیں، ان کے دیکھنے سے ہر شخص یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس زمانے کے عربوں میں فصاحت و بلاغت، حسنِ ذوق و ظرافت اور دقتِ نظر کا معیار کتنا بلند تھا!

البتہ یہ کہنا دشوار ہے کہ مندرجۂ ذیل روایات میں حقیقت کس حد تک پائی جاتی ہے!

"حیرہ کے بادشاہ نعمان نے حکم دیا تھا کہ عربوں کی نظمیں "طنوج" (رجسٹروں) میں لکھ کر اسے پیش کی جائیں، پھر اس نے ان کو اپنے قصر ابیض میں احتیاط سے دفن کرا دیا (عہد اسلامی میں) جب مختار بن ابی عبید (اس علاقہ کا) عامل

دگورنر) بنا تو لوگوں نے اسے یہ روایتیں سنائیں کہ ایک خزانہ قصرابیض میں کسی جگہ دفن ہے، مختار نے تلاش کا حکم دیا، کھدائیوں میں یہ نظمیں برآمد ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ کوفہ (جو شہر حیرہ کی نئی اسلامی بستی ہے) اس کے رہنے والے (اپنے حریف شہر) بصرہ والوں کے مقابلہ میں قدیم عربی (نظم) کے زیادہ ماہر تھے[۱]۔ یہ یاد دلانا شاید بے جا نہیں کہ حیرہ کی ریاست ایران کے زیر اثر تھی اور ایران میں بھی علوم و فنون کی تحریروں کو احتیاط کے لئے دفن کرنے کی روایتیں پائی جاتی ہیں[۲]۔

مختلف ملکوں میں اجنبیوں کے لئے مختلف الفاظ پائے جاتے ہیں، ہندو ان کے ہاں "ملیچھ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو یہودی ان کو "گوئیم" کہتے ہیں اور یونانی "باربر" کا نام دیتے ہیں، اس بارے میں عربی اصطلاح قابل ذکر ہے، وہ اپنے کو تو عرب کہتے تھے اور اجنبیوں کو "عجم" "عرب" کے معنے نہ صرف خانہ بدوش بدوی (یا صحرا نشین) کے ہیں بلکہ ایک ایسے شخص کے بھی جو اپنا مافی الضمیر وضاحت کے ساتھ ظاہر کرتا ہے اور "عجم" کے معنے گونگوں کے ہیں جو بول نہیں سکتے، اس لفظ میں دیگر اقوام کی طرح اجنبی کو ناپاک یا وحشی قرار دینے کے دل آزار مفہوم کو دخل نہیں بلکہ اپنے طراری اور لسانی پر فخر کیا جاتا ہے۔

منظوم کلام اور اشعار دنیا کی ساری ہی قوموں میں پائے جاتے ہیں

---

[۱] لسان العرب، مادہ "ط۔ن۔ج"

[۲] الفہرست لابن الندیم، مقالہ سابعہ، فن اول، طبع یورپ صفحہ (۲۴۰ تا ۲۴۱)

لیکن اس بارے میں بھی عربی تصورات دلچسپ ہیں اور کہنا پڑتا ہے کہ شاعری ان کا اوڑھنا بچھونا بنی ہوئی تھی۔ عربی میں ایک مکمل منظوم جملہ "بیت" کہلاتا ہے (جس کے معنے خیمے کے ہیں جو صحرانشین خانہ بدوش کے لیے گھر کا کام دیتا ہے) ہر بیت کے دو حصے ہوتے ہیں جن کو "مصراع" (اردو، فارسی میں "مصرع") کا نام دیا گیا ہے۔ ("مصراع" خیمے کے ان دو حصوں کو کہا جاتا ہے جو خیمے کی چوٹی سے کھمبوں کی مدد سے دونوں طرف ڈھلتے ہیں) بیت کی بنیاد "ارکان" (کھمبوں) پر ہوتی ہے اور بیت کے الفاظ کو "سبب" (رسی) اور "وتد" (کھونٹی) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کسی خیمے کو کھڑا کرنے کے لیے کھمبے، رسی اور کھونٹی کے بغیر چارہ نہیں

اسی طرح عربوں کا پرانا مقولہ ہے: "الشعر دیوانُ العرب" (شعر عربوں کا محافظ خانہ یا دفتر معلومات ہے) جس ملک میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم ہو وہاں نثر کی جگہ نظم میں کوئی بات کہی جائے تو حافظے میں زیادہ آسانی سے محفوظ رہتی ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے بکثرت تاریخی اور سماجی معلومات اشعار ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

یہاں تک تو استنباطات اور قیاس آرائیاں ہوتی رہیں، خود تاریخی واقعات بھی مفقود نہیں ہیں :۔

**مدرسے** مدرسوں کے سلسلے میں کس کو گمان ہوگا کہ اس زمانے میں وہاں نہ صرف تعلیم گاہیں تھیں بلکہ ایسی تعلیم گاہیں بھی جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پاتی ہوں! ۔ ہر عربی داں جانتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے شاعروں کے جتنے دیوان ہذلیوں کے پائے جاتے ہیں کسی

اور قبیلے والوں کے نہیں، اس کی جو وجہ ہوگی اس کا ہمارے موضوع سے قریبی تعلق ہے چنانچہ ابنِ قتیبہ[1] نے عیون الاخبار میں بیان کیا ہے کہ مکہ کے قریب رہنے والے قبیلہ ہذیل کی ضرب المثل فاختہ ظلمہ جب بچی تھی تو قبیلے کے مدرسے میں جاتی جہاں اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال ڈال نکال نکال کر کھیلا کرے، اس بظاہر غیر اہم واقعے سے یہ دلچسپ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ قبیلۂ قریش کے رشتہ دار قبیلۂ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے جہاں لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پانے کے لیے جاتی تھیں اور جہاں کے نصاب تعلیم میں لکھنے پڑھنے کو بھی دخل تھا۔

## ادبی کانگریس

بازار عکاظ میں ہر سال جو ادبی چرچا ہوا کرتا تھا؛ اس کے باعث اسے "کل عرب ادبی کانگریس" کہنا بے جا نہ ہوگا، عکاظ کی تاریخ نے مورخین اور مولفین کو ہمیشہ ہی سے الجھا رکھا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا جامعۂ قاہرہ کے مرحوم پروفیسر احمد امین نے "مجلۃ کلیۃ الآداب" میں اس موضوع پر ایک مفصل مقالہ لکھا تھا جو ان کے مجموعۂ مقالات "فیض الخاطر"[2] میں بھی دوبارہ شائع ہوا ہے۔ تفصیلوں میں گئے بغیر شاید یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ عکاظ مکہ کے قریب اور زیادہ تر مکے کے تاجروں کا سالانہ میلہ تھا اور یہاں سنائے جانے والی نظموں اور قصیدوں میں سے جو غیر معمولی طور پر عمدہ سمجھے جاتے تھے، ان کو مکے کے معبد کعبے میں لٹکایا جاتا تھا۔ عربی کی سات مشہور نظموں،

---

[1] ابن قتیبہ: عیون الاخبار، جلد رابع ص ۱۰۴

[2] احمد امین: فیض الخاطر (قاہرہ ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۹ء) جلد رابع، ص ۲۶۵ تا ۲۸۷

(سبع معلقات)، کو اسی اعزاز و امتیاز نے عربی ادبیات میں لافانی زندگی عطا کی ہے اور ان میں یمنی شاعر بھی ہیں، نجدی بھی اور عرب کے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی۔

## جاہلیت میں طائف والوں کا علمی ذوق

مکہ اور طائف میں چولی دامن کا تعلق تھا۔ قرآن نے بھی ان کے قدیم مشترک نام "قریتین"[1] (دو شہر) کا ذکر کیا ہے، مکّہ والے نہ صرف طائف کی بہت سی زمینوں کے مالک تھے بلکہ گرمیاں گذارنے وہیں جاتے تھے اور چونکہ گدھے خچر پر چوبیس گھنٹے سے کم ہی آدمی وہاں پہنچ جاتا تھا اس لئے طائف کی ترکاریاں میوے اور دیگر فاضل پیداوار کی نکاسی مکّہ کی منڈی ہی میں ہوتی تھی۔

طائف کے مشہور سردار غیلان بن سلمہ الثقفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[2] کہ وہ ہفتے میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا جس میں نظمیں پڑھی جاتیں اور ان پر تنقید ہوتی، باقی دنوں میں وہ کسی دن عدل گستری کا کام انجام دیتا کسی دن دوسرے فرائض میں مشغول ہوتا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں طائف والوں کا علمی ذوق بھی کتنا بلند تھا۔

طائف ہی کا ایک اور باشندہ حارث بن کلدہ الثقفی ایک طبیب تھا اور زیادہ تر مکّہ میں طبابت بھی کرتا تھا، اس کی مہارت فنی کے باعث خود ایران

---

[1] قرآن، سورہ ۴۳ زخرف، آیت: ۳۱

[2] الازمنۃ والامکنۃ للمرزوقی ۲/۴۲، ۲۲ غیلان کے مزید حالات کے لئے دیکھو الاصابۃ لابن حجر غیلان۔

کے بڑے بڑے افسر اور گورنر اسے علاج کے لئے بلاتے تھے[۱]۔ لکھا ہے کہ اس طبیب نے طب و حفظان صحت پر ایک کتاب املا کرائی تھی[۲]۔ اس کے کافی اقتباسات بعد کے مولفوں نے محفوظ کئے ہیں[۳]۔

ورقہ بن نوفل مکہ کا ایک باشندہ تھا[۴]۔ اس نے زمانہ جاہلیت میں سریانی[۵] خط میں انجیل لکھنے پڑھنے کی مہارت بہم پہنچائی اور انجیل کو عربی[۶] میں بھی ترجمہ کر کے!

---

[۱] معجم البلدان لیاقوت، زندورد، انساب الاشراف للبلاذری (طبع مصر)، ۱/۸۹م ۱۔

[۲] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ، الحارث بن کلدہ۔

[۳] مطالع البدور للغزولی ۲/۱۰۱ تا ۱۰۳۔

[۴] اس کے عیسائی بننے کی داستان کے لئے دیکھئے میرا مضمون بہ

Two Christians of pre-Islamic Mecca

(جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جلد ششم اپریل ۱۹۵۸ء میں)

[۵] صحیح بخاری کتاب اول، باب اول، حدیث دوم، (بخاری کے الفاظ ہیں۔ "عبرانی میں" کیونکہ اس زمانے میں "عبرانی" سے مراد Syriac (سریانی) اور "سریانی" کا اطلاق اس پر ہوتا تھا جسے اب ہم Hebrew (عبرانی) کہتے ہیں طبقات ابن سعد جلد دوم، حصہ دوم، صفحہ ۱۱۵ میں ذکر ہے کہ آنحضرت نے زید بن ثابت کو یہودیوں کے خطوط پڑھنے کے لئے "سریانی" خط سیکھنے کا حکم دیا۔ یہ ذہن نشین رہے کہ انجیل سریانی خط میں شام و فلسطین نصاریٰ کے ہاں بھی عبرانی میں نہیں کہ ورقہ بن نوفل کو عبرانی سیکھنی پڑے۔ تاویل مشکل القرآن لابن قتیبہ صفحہ ۱۶ میں بھی نقل الانجیل علی السریانیۃ کی صراحت ہے۔

[۶]۔ صحیح بخاری کتاب التعبیر باب اول، نیز کتاب التفسیر، ذکر سورۃ اقراء۔

لکھنا، ورقہ کی بہن بھی بائبل پڑھا کرتی تھی[1]

**تعلیم نسوان** حضرت عمرؓ کی ایک رشتہ دار خاتون شفاء بنت عبداللہ العدویہ نے بھی زمانۂ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا[2]۔ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اُم المومنین حضرت حفصہؓ نے بھی (بہ ظاہر زمانۂ جاہلیت ہی میں) انہیں رشتہ دار خاتون سے لکھنے پڑھنے کی تعلیم حاصل کی تھی[3]۔ خالد بن الولیدؓ کی رشتہ دار خاتون اُم المومنین ام سلمہؓ بھی پڑھنا جانتی تھیں، اگرچہ لکھنے کی مشق پیدا نہ کی تھی[4] لیکن یہ واضح نہیں کہ یہ علم کب حاصل کیا تھا۔

**عربی خط** موجودہ عربی خط کی جو تاریخ پرانے عرب مولف[5] بیان کرتے ہیں اس کے مطابق مکہ والے ہی اولین لوگوں میں ہیں جنھوں نے جزیرہ نمائے عرب میں اپنی زبان کے لئے تحریر کا استعمال کیا۔ ان

---

[1] انساب الاشراف للبلاذری (طبع مصر) ۱/۷۹، الروض الانف للسہیلی ۱/۱۰۴۔

[2] سنن ابی داود، کتاب الطب، باب ۲۸؛ مسند ابن حنبل ۶/۲، ۳۷۲؛ الفکبة لابن حجر حصہ نسواں نمبر ۶۱۸، استیعاب لابن عبدالبر حصہ نسواں نمبر ۱۷۱

[3] ایضاً ایضاً ایضاً

[4] فتوح البلدان للبلاذری (طبع یورپ) صفحہ ۴۷۲۔

[5] فتوح البلدان (صفحہ ۴۷۱) میں مورخ بلاذری نے الکلبی کا بیان نقل کیا ہے کہ قبیلۂ طئی (شمالی عرب) کے تین آدمیوں نے سریانی حروف تہجی کو عربی زبان کے لئے (غالباً ناگزیر ترمیم اور اضافہ کے ساتھ) استعمال کرنا شروع کیا اور واقعی سریانی خط اور پرانے عربی خط میں (سلسلہ صفحہ ۱۶ پسلہ) مطبوعہ حصہ دیکھئے۔

مولفوں کے زمانہ کی معلومات جدید کھدائیوں اور پرانے کتبات کی دستیابی کے باعث پوری طرح صحیح نہ بھی رہے ہوں تو اس میں بہرحال کوئی شک نہیں کہ عربی کو علمی زبان بنانے کا آغاز مکے والوں سے ہوا۔ عربی زبان میں لکھی ہوئی اولین کتاب قرآن مجید ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آغاز اسلام کے وقت عرب میں مختلف خط رائج تھے۔ ابرہہ یمن کا بادشاہ تھا، اس نے اصحاب الفیل کے لشکر کے ساتھ جب مکے پر چڑھائی کی تو اسی کے دو چار ماہ بعد رسول اکرمؐ کی ولادت ہوئی۔ اسی ابرہہ کے متعدد کتبے جو یمن میں ہیں وہ خط مسند میں ہیں۔ مدینہ میں باب العنبریہ کے باہر بئر عروہ کے پاس بھی میں نے اسی خط مسند یا حمیری کا ایک کتبہ

---

مشابہت بھی صاف نظر آتی ہے، پھر طئی والوں سے (نہ معلوم کب؟) انبار والوں نے اور ان سے حیرہ (جدید کوفہ، عراق) والوں نے یہ فن سیکھا۔ دومۃ الجندل کے حکمران خاندان کی رشتہ داری حیرہ والوں سے تھی، چنانچہ حکمران حیرہ کے بھائی بشر بن عبدالملک بن عبدالجن نے حیرہ ہی میں یہ گر معلوم کیا۔ پھر وہ کسی کام سے مکہ آیا۔ خاندان بنی اُمیّہ میں شادی بھی کی اور لکھنا بھی سکھایا چنانچہ ابوسفیان کے چچا ابن امیہ اور رسول اکرمؐ کی والدہ حضرت آمنہ کے چچا ابوقیس بن عبد مناف نے اس میں مہارت پیدا کی، اور بعد ازاں انہیں سے طائف کے مشہور سردار غیلان بن اُمیّہ نے بھی لکھنے کا فن سیکھا (یہی معلومات الفہرست لابن الندیم صفحہ ۷، اور کتاب الخراج قدامۃ بن جعفر مخطوطہ قطعہ آکسفورڈ میں بھی ہیں۔ آکسفورڈ کے فہرست نگار نے "قدامہ" کو غلطی سے "قلاقہ" پڑھ لیا ہے، نیز المصاحف لابن ابی داؤد صفحہ ۴ تا ۵ میں جہاں سفیان بن اُمیّہ کی بجائے ابوسفیان کے باپ حرب بن اُمیّہ کا ذکر ہے)

۱۹۴۶ء میں دیکھا تھا۔ یہ ایک چٹان پر ہے اور چند آدمیوں کے نام پتھر میں کھرچ کر لکھے گئے ہیں۔

خیبر اور مدینے کے یہودی بولتے تو عربی زبان تھے لیکن اسے لکھتے عبرانی خط میں تھے۔ اسی لئے رسول اکرمؐ نے اپنے میر منشی زید بن ثابتؓ کو یہ خط سیکھنے کا حکم دیا تھا[1]۔ ان حالات میں مدینہ کے مندرجۂ ذیل واقعے کا مفہوم، قابلِ غور ہو جاتا ہے۔

قال الواقدی: کان الکتاب بالعربیۃ فی الاوس والخزرج قلیلا، وکان بعض الیہود قد علّم الکتاب العربیۃ وکان تعلّمہ الصبیان بالمدینۃ فی الزمن الاول فجاء الاسلام وفی الاوس والخزرج عدۃ یکتبون وھم سعد بن عبادۃ، والمنذر بن عمرو و اُبیّ بن کعب وزید بن ثابتؓ کان یکتب العربیۃ والعبرانیۃ

"واقدی کا بیان ہے کہ عربی میں لکھنا اوس، خزرج میں کم تھا اور ایک یہودی نے عربی میں لکھنا سکھایا تھا اور پرانے زمانے میں مدینے کے بچوں نے اسے سیکھا تھا۔ پھر اسلام آیا تو اس وقت اوس و خزرج میں متعدد لوگ لکھنا جانتے تھے یہ سعد بن عبادہ۔ اور منذر بن عمرو اور اُبی بن کعب، اور زید بن ثابت ہیں اور زید بن ثابت عربی اور عبرانی دونوں میں لکھتے تھے۔

زید بن ثابت قال: امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم لہ کتاب یہود وقال لی: لا آمن یہود علی کتابی، فلم یمرّ بی

زید بن ثابتؓ کا بیان ہے: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے لیے یہودیوں کی تحریر سیکھوں اور فرمایا: میں اپنی تحریروں کے متعلق یہودیوں پر اعتماد

---

[1] کتاب المصاحف لابن ابی داؤد ص۳ نیز دیگر ماخذ۔

ضعف شيئ حتى تعلمته نكتب وكتب
له الى يهود، واذا كتبوا اليه
قرأت كتابهم۔
فتوح البلدان للبلاذري
صفحه ۴۷۳-۴۷۴

نہیں کرسکتا۔
آدھا مہینہ بھی نہ گزرا کہ میں نے یہ سیکھ
لیا اور پھر آپ کی طرف سے یہودیوں
کو لکھتا اور اگر وہ آپ کو لکھتے تو
ان کا خط پڑھتا۔

جب یہودیوں نے پرانے زمانے میں عربی لکھنے کی تعلیم دی تو غالباً عبرانی خط میں عربی زبان کو لکھنا ہوگا اور جب ہجرت کے بعد مکے والے مدینہ آئے تو پھر مکی مسلمانوں نے ان سے عربی خط میں سیکھا ہوگا خاص کر غزوۂ بدر کے قیدیوں سے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس سلسلہ میں یہ امر معنی خیز ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی خط سیکھنے کا حکم دینے کی روایت ذہبیؒ[1] کے ہاں ذیل کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے: "أتحسن السريانية" ؟ کہ آنحضرتؐ نے زید بن ثابتؓ سے پوچھا کیا تجھے عبرانی اچھی آتی ہے؟ کیونکہ میرے پاس خطوط آتے ہیں۔۔۔ "گویا سیکھنے نہیں بلکہ مہارت بڑھانے اور مشق پیدا کرنے کا سوال تھا۔ وَاللہُ اَعْلَمُ۔

## ادب لطیف

قصہ، کہانی اور نقل سے بچے بڑے ہر شخص کو دنیا کے ہر ملک میں، ہر زمانہ میں دلچسپی رہی ہے۔ مکہ اس سے کیوں مستثنیٰ رہتا؟ چنانچہ فرصت کے اوقات، خاص کر چاندنی راتوں میں، خاندانی یا محلہ وار اجتماع گاہ (نادی)، یا شہر کے مرکزی کلب (دار الندوہ) میں لوگ جمع ہوتے پیشہ ور، قصہ گو وغیرہ وہاں برجستہ یا اپنے سنے ہوئے قصے بیان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۲۹، ۳۰۔

کر کے دل بہلاتی اور عام دلچسپی کا سامان مہیا کرتے، اسے "مسامرہ" کہا جاتا۔ اس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے،[1] اور وہاں کی فحش گوئی پر ملامت کی گئی ہے۔ شاعری کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔

ادبی ذوق جاہلیت میں صرف عربوں ہی میں نہ تھا بلکہ عرب میں رہنے والی دوسری قوموں میں بھی یہ سرایت کر گیا تھا۔ چنانچہ یہودی سموال بن عادیا، اور دیگر یہودی و نصرانی شعراء کے دیوان بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن زبان اور خیال میں بہ مشکل ہی ان[2] دیگر عربوں سے ان میں کوئی فرق نظر آتا ہے۔ مدینۂ منورہ کے یہودیوں کے ہاں بھی ایک "بیت المدارس" موجود نظر آتا ہے جو دینی تعلیم وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔[3]

## تعلیمات کی اصطلاحیں

زمانۂ جاہلیت میں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے لئے عربی میں جو الفاظ پائے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد اشراندازہ ہے، ابھی اوپر حیرہ کے قیصر ابعض کے سلسلہ میں "طوبج" کا ذکر ہوا۔ ذوالرمہ شاعر نے "رداسیم" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنے "لسان العرب"

---

[1] القرآن سورہ ۲۳ (مومنون)، آیت: ۶۸

[2] یہ صحیح ہے کہ امیہ بن ابی الصلت الثقفی نے (جو انساب الاشراف للبلاذری، مخطوطہ، استانبول ۲/۲۶۷، مخطوطہ رباط صفحہ ۹۳۴ کے مطابق یہودی تھا) وحدانیت ربانی کا کئی بار ذکر کیا ہے اور توریت کے بعض مناظر کو منظوم کیا ہے۔ لبید کے ہاں بھی توحید کا ذکر ہے مگر یہ نادر چیزیں ہیں۔

[3] سیرۃ ابن ہشام (طبع یورپ) صفحہ ۳۸۳، ۳۹۴، عیسائیوں کے مدارس کیلئے ایضاً صفحہ ۴۰۱

میں ابن منظور نے "المرواسیم کتب کانت فی الجاهلیة" زمانہ جاہلیت کی کتابیں" بتائے ہیں، نجرانی عیسائی پرانی کتابوں کے لئے "وفائع" کا لفظ استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ مدینے کے عربوں کے ہاں "حکیم العرب" لقمان کی علم وحکمت کی باتوں کے تحریری مجموعہ کا نام مجلّہ لقمان تھا، کراسۃ (جمع کراریس) بھی پرانا لفظ ہے، خود قرآن مجید میں ذیل کے الفاظ ملتے ہیں :-

قرطاس، قراطیس (ایک قسم کا کاغذ)

رِقّ (جانوروں کی جھلی جو بطور کاغذ برتی جاتی ہے)

اسفار، زُبُر، کتب، صحف، نسخۃ، رقیم (کتابیں)

الواح (تختیاں، چاہے لکڑی کی یا قسم کے پتھر کی سلیٹ کی طرح)

قلم، اقلام (لکھنے کا آلہ، چاہے پتلے بمبو کا ہو یا پرندے کے پر کا)

نون (دوات، بعض مفسروں کے مطابق)

کَتَب، نستنسخ، تخط، تملّی، یملل

مداد (روشنائی)

مرقوم، یسطرون (لکھنا)

سفرۃ، کاتب (لکھنے والا)

سجل (مہر لگانے والا)

خاتم (مہر)

قطّ (کتاب) بعض مفسروں کے مطابق۔

بطور نمونہ یہ مثالیں کافی ہوں گی، ورنہ عربی لغت میں اور بھی الفاظ ملتے ہیں جن میں سے بعض اردو میں بھی آگئے ہیں مثلاً "کاغذ، ورق وغیرہ۔"

---

۱۔ ابن ہشام، صفحہ ۴۰۲
۲۔ ابن ہشام صفحہ ۲۸۵
۳۔ گارسین دتاسی (فرانسیسی خطبات کی تحقیق ہے کہ "گزٹ" (یعنی اخبار) کا لفظ یورپی زبانوں میں اسی لفظ "کاغذ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے) دیکھو دسواں خطبہ مورخہ ۱۸۶۱ء۔ اردو ترجمہ "خطبات گارساں دتاسی" میں یہ عبارت چھوٹ گئی ہے۔

یہ پس منظر ہے زمانہ جاہلیت کے عربوں کی علمی استعداد اور صلاحیتوں کا اس سے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا، انہیں صلاحیتوں کو اسلام نے صیقل کر کے اجاگر کیا تو انہوں نے علوم وفنون کی وہ بلند عمارتیں کھڑی کیں جو تاریخ انسانی میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

# عہد اسلامی

سب جانتے ہیں کہ اسلام کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب ۶۱۰ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں خدا کا پیام پہلی دفعہ وحی ہوا، مورخوں کے ہاں یہ مسلم ہے کہ نو عمری میں آپ کو لکھنے پڑھنے کا کوئی موقع نہ ملا اور زمانہ جاہلیت " میں آپ اُمّی ہی رہے، ان حالات میں یہ کس قدر ولولہ انگیز اور متاثر کنندہ واقعہ ہے کہ خدا کے پاس سے آپ کو جو سب سے پہلے وحی آئی اس میں آپ اور آپ کے متبعین کو " اقراء " یعنی پڑھنے کا حکم تھا اور علم کی یہ کہکر تعریف کی گئی کہ جملہ انسانی علم اسی سے ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۞
(القرآن سورۃ ۹۶، العلق آیۃ: ۱ تا ۵)

" پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے، جس نے انسان کو ایک جمے ہوئے قطرۂ خون سے پیدا کیا، پڑھ کہ یہ تیرا بزرگ آقا ہی ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ چیز سکھائی جو وہ نہ جانتا تھا۔

ایک حدیث میں رسولِ اکرم نے بیان فرمایا ہے کہ "خدا نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا"[1]۔ کیوں نہ ہو کہ مخلوقات کی تقدیر اور قسمت لکھنے کے لیے اسی کی ضرورت تھی۔

عہدِ اسلامی کی آغاز کی تعلیمی حالت کے متعلق یہاں ہم زمانۂ رسالت ہی پر اکتفا کریں گے۔ اس سلسلہ میں سہولت کے لیے وہی مشہور تقسیم اختیار کی جا سکتی ہے جو "قبل ہجرت" اور "بعد ہجرت" کے نام سے موسوم ہے، اس تقسیم سے وہ زمانے بھی متعین ہو جاتے ہیں جب پیغمبر اسلام کے ہاتھ میں دنیوی اقتدار تھا یا نہ تھا۔

# قبلِ ہجرت

مطالعۂ قرآن پر یہ عجیب چیز نظر آتی ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیتیں جن میں پڑھنے لکھنے یا علم سیکھنے کا ذکر ہے وہ مکی آیتیں ہیں، اس کے برخلاف مدنی آیتوں میں کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زور دیا گیا ہے، پہلے علم پھر عمل کہ جاہل کا عمل درخورِ التفات نہیں ہوتا۔ چنانچہ:-

| | |
|---|---|
| ۱۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ ۳۹۔ آیت ۹) | کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں؟ |
| ۲۔ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سورہ ۳۵۔ آیت ۲۸ | تم کو علم سے تھوڑی ہی مقدار دی گئی ہے۔[2] |
| ۳۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورہ ۳۵۔ آیت ۲۸) | اللہ سے اس کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔ |

---

[1] سنن ترمذی کتاب ۴۴ تفسیر باب ۶۸، سنن ابی داؤد کتاب ۳۹ سنہ، قدر، باب ۱۶ حدیث نمبر ۱۱، مسند ابن حنبل ۵/۳۱۷، مسند طیالسی نمبر ۵۷۷

۴- وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (سورہ ۲۰ - آیت ۱۱۴)

اور کہہ: میرے آقا! مجھے علم میں زیادتی عطا کر!

۵- وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ (سورہ ۶ - آیت ۹۱)

تمہیں وہ چیز سکھائی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد۔

۶- وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (سورہ ۳۱ - آیت ۲۷)

اگر زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں، اور سات سمندر دیگر سمندروں کے ساتھ سیاہی بن جائیں، تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہو سکیں!

۷- وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ (سورہ ۵۲ - آیت ۱ تا ۳)

قسم ہے پہاڑ کی اور قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ایک جھلی پر جو پھیلائی جاتی ہے۔

۸- نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ (سورہ ۶۸ - آیت ۱)

دوات! قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں۔

۹- وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ (سورہ ۶ - آیت ۷)

اگر ہم نے تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پر لکھی ہوئی بھیجی ہوتی۔

۱۰- فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ ۱۶ - آیت ۴۳)

اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

یہ تمام مکی آیتیں ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں۔

کسی قوم میں کسی نبی پیغمبر کا مبعوث ہونا اشاعت تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لئے نہیں ہوتا۔ چنانچہ حیرت نہ ہو کہ ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہے کہ "میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں (بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)"[1] اس کی تائید قرآنی آیتوں سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:-

(الف) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(سورہ ۲۔ آیت ۱۲۹)

(ابراہیم اور اسمٰعیل نے دعا کی:) اے ہمارے آقا! ان کے پاس انہیں میں کا ایک رسول بھیج، جو انہیں تیری آیتیں سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، بیشک تو ہی طاقتور اور عقلمند ہے۔

(ب) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝

سورہ ۶۲- آیت ۲

وہی ہے جس نے اُمیوں میں انھیں میں کا ایک رسول بھیجا، تاکہ انھیں اس کی آیتیں سنائے ان کا تزکیہ کرے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اگرچہ اس سے پہلے وہ فاش گمراہی میں مبتلا تھے۔

(ج) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ

بے شک خدا نے ایمان والوں پر مہربانی کی اس نے ان پاس انہیں میں کا ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی

---

[1] جامع بیان العلم لابن عبد البر ۱/ ۵۰؛ سنن ابن ماجہ، مقدمہ باب ۱۷، "فضل العلماء"

لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ؁ | تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ اس سے
(سورہ ۳ - آیت ۱۶۴) | پہلے وہ فاش گمراہی میں مبتلا تھے۔

حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں، خاص کر ایسی شخصیت کے لئے جو مذہب وسیاست کو بالکل ایک اور ایک دوسرے سے آزاد چیزیں نہ سمجھتی ہو اور جس کا مطمح نظریہ ہو:-

وَرَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً | "اے ہمارے آقا! ہمیں اس دنیا میں بھی
وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا | بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی،
عَذَابَ النَّارِ ؁ | اور ہمیں آگ کے عذاب
(سورہ ۲ - آیت ۲۰۱) | سے بچا۔"

بیعت عقبۂ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانے میں، جو ہجرت سے بھی سوا سال پہلے عمل میں آئی تھی، اور کوئی درجن بھر مدینے والوں نے اسلام قبول کیا تھا تو ان کی خواہش پر رسول اکرمؐ نے ان کے ساتھ مکے سے ایک تربیت یافتہ معلم[۱] (مصعب بن عمیر) کو روانہ فرمایا تھا جو انہیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے۔ دینیات اسلام سے واقف کرا سکے، معترضوں کے جواب دے سکے اور تبلیغ اسلام کر سکے یہ ظاہر ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں تعلیم سے مراد صرف مبادی دین اور عبادت کے طریقے کی تعلیم ہی ہو سکتی تھی اور نصاب تعلیم میں صرف ایک دنگر جامع کتاب تھی یعنی قرآن جیسا کہ آگے توضیح کی جائے گی۔ ان معلم مصعب بن عمیر کو مدینہ پہنچے چند ہفتہ ہی ہوئے تھے کہ مکے سے انہیں رسول اکرمؐ نے ایک

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۸۹

حکم لکھ بھیجا کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز کی جگہ دو رکعتوں والی ایک نماز با جماعت پڑھو، اور اس میں ایک خطبہ بھی دو۔ راوی ابن سعد[۱] نے صراحت کی ہے کہ وہاں اس وقت بارہ مرد مسلمان تھے (ظاہر ہے کہ مدینہ ابھی دارالسلام نہ بنا تھا) یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس زمانے میں خطبے کا منشا بھی تعلیم ہی ہوتا تھا، یہ نہیں کہ خود خطیب صاحب کو بھی پتہ نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

زمانۂ قبل ہجرت کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے میں بیان کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے کاتب مقرر فرما رکھے تھے، جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے اس کو لکھ لیں اور اس کی نقلیں کر کے اور سارے مسلمانوں میں قرآن کو پھیلائیں، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے[۲] کہ جب (تقریباً ۸ھ قبل ہجرت میں) حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے تو انہیں قرآن مجید کی کم از کم تین سورتیں اپنی بہن کے گھر میں لکھی ہوئی ملیں اور وہاں خباب بن الارت نامی ایک معلم کو بھی پایا اور بظاہر ان کی بہن فاطمہ بنت الخطابؓ بھی پڑھنا جانتی تھیں، یہ امر شایان قابل ذکر ہے کہ قرآن یعنی الہامی کتاب اور اللہ کے کلام کے متعلق پیغمبر اسلام کی یہ پالیسی کہ وہ گھر گھر پھیلے اور عورت مرد، عام خاص سارے مسلمان اسے براہِ راست پڑھیں سمجھیں اور برتیں، یہ ایک انقلابی طرز عمل

---

[۱] الطبقات لابن سعد، جلد اول حصہ اول صفحہ ۱۴۸، نیز جلد سوم حصہ اول صفحہ ۸۳، الروض الانف للسہیلی ۱/۲۷۰ بحوالہ دار قطنی، لسان العرب، مادہ "زلف"

[۲] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۲۶، الروض الانف للسہیلی ۱/۲۱۷ تا ۲۱۸ بحوالہ یونس و بزّار وغیرہ۔

تھا، ورنہ سابقہ مذاہب ہندو ہو کہ یہودی یا پارسی مذہبی کتاب کو پجاریوں کے طبقہ ہی تک محدود رکھتے تھے اور عوام اہل ملت کا کام بے چون وچرا آنکھ بند کر کے پجاریوں کی توجیہ وتشریح کو قبول کرنا اور اس کی تعمیل کرنا تھا، اسلام ایک عوامی مذہب بنا خواص تک محدود نہ رہا۔

**تعلیمی سفر**

اس سلسلے میں بالآخر یہاں شاید ایک قصے کی طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا جو قرآن مجید کی ایک مکی سورت (کہف) میں مذکور ہے اور پورے کا پورا طالب علم کے سفر وسیاحت، اور تجارت کے تذکرے پر مشتمل ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ موسیٰ[1] نامی کوئی شخص تھا، ایک ملازم کے ہمراہ سفر اور تلاش پر (جس میں ایک

---

[1] سورہ ۱۸- آیت ۶۰ تا ۸۲- یہاں موسیٰ کا نام تو ہے لیکن سیاق وسباق میں کوئی چیز نہیں ہے جس سے یہ کہا جائے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں، اور یہ ممکن ہے کہ اسی نام کا کوئی اور شخص اس اخلاقی قصے کا ہیرو قرار دیا گیا ہو۔ توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں ایسی کوئی چیز بیان نہیں ہوئی ہے، یہ سارا قصہ (بہت سی رنگ آمیزیوں کے ساتھ) قدیم بابل والوں کو بھی معلوم تھا اور انہوں نے گلگامیش کی طرف اسے منسوب کیا ہے (شاید اس کے معرب یعنی جلجا موسیٰ کا مخفف موسیٰ ہو جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے) وہاں بھی گلگامیش کے ساتھ ایک ملازم ہوتا ہے، سنگم پر آب حیات کی تلاش ہوتی ہے۔ کشتی میں ایک سنسنی خیز سفر کیا جاتا ہے۔ قتل وخون بھی ہوتا ہے، کھدائیوں میں پکی ہوئی اینٹوں پر لکھا ہوا یہ افسانہ برآمد ہوا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے قبل کا سمجھا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ من گھڑت اضافوں اور بعد کی رنگ آمیزیوں کو حذف کر کے قرآن نے اصل قصہ بیان کیا ہو اور منشا تاریخ نہیں بلکہ سبق آموزی ہو۔

سنگم کے پاس پکی ہوئی مچھلی آبِ حیات کے قطروں کے پڑنے سے زندہ ہو کر دریا میں چھلانگ گئی) اسے ایک بڑے عالم کی صحبت نصیب ہوئی جو موسیٰ کو اس شرط پہ اپنے ساتھ رکھنا منظور کرتا ہے کہ وہ مشاہدہ تو کرے لیکن اعتراض اور اور دخل اندازی نہ کرے ہمسفری میں عالم نے ایک مرتبہ بحری کشتی کو بیچ سمندر میں خطرناک نقصان پہنچایا، پھر ایک نوعمر لڑکے کو قتل کر دیا، نیز ایک مہمان نوازی سے انکار کرنے والے مقام پہ ایک گرتی دیوار کا معاوضہ (اجرت) مانگے بغیر مرمت کر دی، پھر بعد میں وہ حیرت زدہ موسیٰ کو بتاتا ہے:

"مجھے معلوم تھا کہ آنے والی بندرگاہ کا ظالم بادشاہ جو اچھی کشتی دیکھتا ہے ضبط کر لیتا ہے۔ اسی لئے ضبطی سے بچنے کے لئے کشتی کو خراب کرنا پڑا، سارے لوگ جانتے تھے کہ نوجوان بدکار و بدطینت ہے اور اپنے والدین کے لئے مصیبت کا باعث بننے والا ہے، گرتی دیوار کے نیچے ایک نکوکار شخص نے اپنے یتیموں کے لئے ایک خزانہ دفن کیا تھا جس سے عالم الغیب "خدا" کے سوا کسی کو واقفیت نہ تھی اور خدا ہی نے چاہا ہے کہ خزانہ قبل از وقت برآمد نہ ہو، ورنہ مستحق بچے محروم ہو جائیں۔ اس طرح علم غیب کے تین درجے بتائے۔ یعنی ایک آدمی بہت سے آدمی اور صرف خدا کا علم، غرض سفر اور تجربہ کار لوگوں کی صحبت سے آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے[1]

## بعد ہجرت

مدنی دور یعنی بعد ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد پایا جاتا ہے وہ اتنا زیادہ

---

[1] طلب علم کے سفر کیلئے دیکھو سنن دارمی، مقدمہ باب ۴۲ (حدیث کی کتابوں اور اسلامی تاریخوں میں درج ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین رسول اللہ کی ایک حدیث کی خاطر یمن سے مدینہ اور مدینے سے شام و مصر کا طویل سفر کرتے تھے۔ حاشیہ از ڈاکٹر محمد یوسف الدین)

ہے کہ اسے سلسلہ وار کی جگہ فن وار مرتب کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یعنی مدرسوں کا انتظام، طلبا کے اقامت خانے، اجنبی زبانوں کی تعلیم، عام نصاب تعلیم، عورتوں کی تعلیم، اضلاع اور صوبہ جات میں تعلیم، دورہ اور تفتیش کرنے والے افسر تعلیمات وغیرہ۔

## مدرسے اور اقامت خانے

ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ہجرت سے بھی پہلے ایک معلم کو مدینۂ منورہ بھیجا تھا، جس کے کارنامے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ جب ہجرت کے بعد خود آنحضرتؐ بھی مدینہ پہنچے تو بے حد و بے شمار دفاعی اور سیاسی مصروفیتوں کے باوجود تعلیم کے لئے وقت نکالا۔

ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام یہ تھا کہ ایک بڑی عمارت تعمیر کی جائے جس کا ایک حصہ عبادت گاہ کا کام دے تو دوسرا حصہ تعلیم گاہ کا، مسجد نبوی میں شامل اس تعلیم گاہ یعنی صفہ کا ابھی ذکر کیا جائیگا۔ علاوہ برآں اپنی شدید مشغولیتوں کے باوجود رسول اکرمؐ اس کا وقت نکال لیا کرتے تھے کہ مدینۂ منورہ سے ناخواندگی اور جہالت کو دور کرنے کے کام کی شخصی طور پر نگرانی کر سکیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے الحکم (یعنی عبداللہ) بن سعید بن العاصؓ کا (معلم کی حیثیت سے) تقرر فرمایا کہ لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دیں، یہ بہت اچھے خوش نویس بھی تھے۔[1]

---

[1] الطبقات لابن سعد جلد دوم حصہ اول صفحہ ۲۴ انیز ۷)، الروض الانف للسہیلی ۲/۹۲ کے مطابق ان بچوں میں زید بن ثابت بھی تھے۔ مسند ابن حنبل ۱/۲۴۷ (طبع جدید میں حدیث نمبر ۲۲۱۶) کے مطابق ایک معلم بچوں کو بے وجہ پیٹا بھی کرتا تھا، تو ایک بدر کی شکست اور اپنی قید کا بدلہ لینا چاہتا تھا، محض محدثوں نے اس واقعہ کا دلچسپ عنوان باندھا ہے، جواز المعلم المشرک لاتی دغیر مسلم کو استاد بنانے کا جواز) نیز کتاب مذکورہ ۱/۲۴۶ تا فقدم ۔ نیز بخاری ج ۱۔ کتاب العلم۔

رسول اکرمؐ خواندگی کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ ہجرت کے ڈیڑھ دو ہی سال کے بعد جب ساٹھ ستر مکے والے جنگ بدر میں گرفتار کر کے مدینے لائے گئے تو آپ نے ان قیدیوں کی جو مالدار نہ تھے رہائی کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ ہر شخص مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائے[1]

عبادہ بن الصامت بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے مجھے صفے میں اس

[1] ابن سعد: طبقات ۲/۲ صفحہ ۱۴، مسند احمد ابن حنبل، ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال صفحہ ۱۱۶ نمبر (۳۰۹) [حاشیہ از یوسف الدین: مسلمان رسول اکرمؐ کی زندگی کو نمونہ بناتے ہیں چنانچہ ۷۵۱ء میں وسطی ایشیا کے علاقہ چینی ترکستان میں مسلمان عربوں اور چینیوں کے درمیان جنگ ہوئی اور بہت سے قیدی گرفتار ہوئے جو کاغذ بنانا جانتے تھے جنگ بدر کے قیدیوں کی نظیر پیش نظر رکھ کر مسلمان عربوں نے ان جنگی قیدیوں کی رہائی کیلئے یہ شرط رکھی کہ وہ مسلمانوں کو کاغذ سازی کا فن سکھا دیں۔ غرض مسلمانوں نے کاغذ سازی کے فن کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، سمرقند، بغداد، دمشق ہوتے ہوئے ایک طرف کاغذ سازی کا فن یورپ پہونچا دوسری طرف بدخشاں، ہرات ہوتے ہوئے ہندوستان میں کشمیر، احمد آباد اور دولت آباد (اورنگ آباد) میں کاغذ سازی کے کارخانے پھیل گئے۔ غرض مسلمانوں نے خود بھی کاغذ سازی کا فن سیکھا اور ساری دنیا کو یہ فن سکھایا ورنہ اس سے قبل کاغذ سازی کا فن ایک راز سربستہ بنا ہوا تھا۔ پھر چینی ریشم سے کاغذ بناتے تھے جو بہت گراں ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے کاغذ سازی کا فن سیکھ کر تجربوں سے اس فن کو ترقی دی اور ریشم کے علاوہ روئی اور پٹ سن سے بھی کاغذ بنایا جو بہت ارزاں ہوتا تھا۔ غرض عربوں نے کاغذ بھی تیار کیا اس طرح انہوں نے چھاپے خانے اور اشاعت تعلیم کیلئے وسیع راہ ہموار کر دی۔ (ڈی لینڈ: ہسٹری آف سویلزیشن صفحہ ۹۰]

غرض سے مامور فرمایا تھا کہ لوگوں کو لکھنے پڑھنے اور قرآن مجید کی تعلیم دیں[1]

## صفے کی اقامتی جامعہ

کے سے ہجرت کرنے اور قبا میں چند دن اقامت کرنے کے بعد جب آنحضرت مدینہ تشریف لائے تو میزبانی کے خواہشمند فدائیوں میں سے کسی کی بھی دل شکنی نہ کرنے کے لئے آپ اونٹنی پر سوار ہو کر فرمانے لگے۔ یہ خود جہاں ٹھہرے گی ہم وہیں اتریں گے اور نکیل ہاتھ سے ڈال دی۔ قبا کے شمال میں چند میل چل کر اونٹنی ایک جگہ بیٹھ گئی آپ نے اسے ایڑی مار کر اٹھایا تو بہ مشکل چند قدم چلی، پھر پلٹ کر پرانی جگہ آکر دوبارہ بیٹھ گئی یہ ایک کھلا میدان تھا اور قبیلہ خزرج کی ملکیت میں تھا۔ آنحضرت کے دادا عبد المطلب کی ماں اسی قبیلہ کی تھیں گویا اتفاق سے رشتہ داروں ہی میں ٹھہرنے کا موقع ملا، میدان کے پاس ہی حضرت ابو ایوبؓ (مدفون استانبول، ترکی) کا مکان تھا؛ اسی لئے عارضی اقامت تو انھیں کے گھر میں فرمائی لیکن میدان کو مول لیا اور وہیں مسجد نبوی، صفّہ اور اپنے کنبے کی رہائش کے لئے چند کمرے تعمیر فرمائے۔

اس تعلیم گاہ کا نام پرانے مؤرخ صفّہ بھی بیان کرتے ہیں اور ظلّہ بھی (مثلاً ابن سعد جلد اوّل حصہ دوم، صفحہ ۱۴، عبد الرحمٰن الاصم البکائی من اصحاب الظلّہ۔ ترجمہ عبد الرحمٰن اصم البکائی اصحاب ظلّہ سے ہیں) ان دونوں لفظوں کے معنے ہیں "سائبان" یعنی ایسا ہموار و مسطح چبوترہ جس پر جھونپڑی کی طرح چھت بھی ہو۔ یہ اصل میں مسجد نبوی کے گوشے میں ایک بڑا سا کمرہ تھا جو اس

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب ۲۲، بیوع، باب ۳۶ کسب المعلم۔

غرض کے لئے مختص کر دیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم کے لئے آنے والوں بلکہ خود مدینہ کے مقامی بے گھرے طالب علموں کے لئے دار الاقامہ کا کام دے، یہاں نیز خود مسجد نبوی کے حصۂ نماز میں درس تدریس کا انتظام کیا گیا تھا لکھنے پڑھنے کی تعلیم بظاہر مبتدیانہ معلوم ہو گی لیکن بالغ اور بڑی عمر کے لوگ محض اس ابتدائی تعلیم ہی سے اس قابل ہو جاتے تھے کہ قرآن مجید کا مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کر سکیں؛ اس مدرسے میں علاوہ برآں فقہی مسائل سکھائے جاتے کہ قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتیں فن تجوید کے اصول سمجھائے جاتے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں کس طرح کسی فن لطیف و موسیقی و غناء) کا لطف پیدا کیا جائے؛ اسلامیات کی اس تعلیم کی نگرانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شخصی طور پر فرماتے؛ اساتذہ کو ہدایتیں دیتے اور حسب موقع خود بھی تدریس کا کام انجام دیتے[1] اور ہر ممکنہ طریقہ سے تعلیم کی حوصلہ افزائی فرماتے چونکہ اصل تعلیم قرآنیات کی ہوتی، اس لئے یہ تعلیم یافتہ "قاری" کہلاتے۔

## طلبہ کے طعام کا انتظام

صفہ نشینوں کی غذا (طعام) کا بندوبست بھی اس زمانہ کی بے وسائل حکومت اسلامی نے یوں کیا تھا کہ شہر کے خوش باش لوگوں نے چند چند لوگوں کی روزآنہ خوراک کی ذمہ داری اپنے پر لے لی تھی[2]، چند طلبہ کو خود رسول اکرم اپنے ساتھ شریک طعام فرما لیتے

---

[1] رسول کریم فخر سے فرماتے: بعثت معلماً (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ مشکوٰۃ، کتاب العلم وغیرہ حاشیہ ڈاکٹر محمد یوسف الوبی۔

[2] تہذیب التہذیب لابن حجر، جلد سوم صفحہ ۵، ۴م، نمبر ۸۸۳ کے مطابق سعد بن عبادۃ الانصاری اسی آدمیوں کی روزآنہ ضیافت کرتے تھے۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ (مواقیت الصلوٰۃ) باب ۴۱ (السمر مع الاھل والضیف)؛ مسند ابن حنبل ۱/۱۹۸ (طبع جدید نمبر ۱۷۱۲) جس کے حاشیہ میں مسلم و ابوداؤد کے حوالے بھی ہیں۔

تھے[۱] حتی الامکان ان میں کوئی بھی دوسروں پر بار نہیں بنتا تھا، اور درس کے اوقات کے باہر یہ طلبہ روزگار میں بھی مصروف ہو جاتے تھے[۲] اور جو کماتے اس کو اپنے دوسرے رفیقوں کے ساتھ مل کر کھاتے، (نیز مسجد نبوی میں پانی وغیرہ بھی بھرا کرتے) کوئی پانی ڈھوتا، کوئی لکڑیاں کاٹتا۔ بعض تو آہستہ آہستہ پس انداز کر کے کچھ اندوختہ بھی جمع کر لیتے۔ لیکن اگر ایسے پیسے والے لوگ دوسروں کی فیاضی کو پھر بھی تکتے اور صدقہ قبول کرتے تو رسول اکرمؐ اس پر بہ ملا سرزنش فرماتے[۳] صفہ والے چونکہ دنیا کے سارے دھندے چھوڑ کر تعلیم پانے میں مشغول رہتے تھے، اس لئے ان سے کسب معیشت کا بار گھٹانے کی کوشش بہرحال کی جاتی تھی[۴]۔ درسگاہ صفہ میں مقیم طلبہ کے علاوہ ایسے لوگ بھی حاضر ہوا کرتے

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۳ تا ۱۴۔

[۲] طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم دوم صفحہ ۱، (حالات حرام بن ملحان) تراتیب کتانی ۱/۴۷۶، جس میں دیگر حوالے بھی ہیں۔

[۳] صحیح البخاری کتاب ۶۴ مغازی، باب ۲۸ رجیع و بیر معونہ، حدیث پنجم، دن کو جنگل میں لکڑیاں کاٹتے رات کو نمازیں پڑھتے رہتے، مسند ابن حنبل ۳/۱۳۷ کے مطابق رات کو استاد سے تعلیم پاتے تو دن کو پانی بھرتے اور لکڑیاں چنتے، یہ کہ ان کی تعداد ایک وقت ستر تھی۔

[۴] مسند ابن حنبل، جلد اول صفحہ ۴۰۵ نیز ۴۱۲ (طبع جدید حدیث نمبر ۳۸۴۳ نیز ۳۹۱۲)۔

ہوں گے جن کے مدینے میں اپنے مکان تھے، وقتاً فوقتاً عارضی طور پر درسگاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ بعض بیانوں سے واضح ہوتا ہے کہ صفہ والوں کی تعداد چار سو بلکہ نو سو تک پہنچ گئی تھی[1]۔ یہ ٹھیک طور سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے آیا یومیہ حاضری مراد ہے یہ (جیسا کہ ہمارا گمان ہے) یا ان صحابہ کی تعداد ہے جن کے نام بطور اصحاب صفہ تاریخ میں محفوظ رہے ہیں یا یہاں کے کل فارغ التحصیل لوگوں کی؟

صفے میں بھی رسول اکرمؐ کی تنظیم پسند طبیعت نے ایک باقاعدگی اور نظام پیدا کر دیا تھا۔ اور یہاں کے طلبہ کا ایک "عریف" نمائندہ ہوا کرتا تھا جو اپنے ساتھیوں کی ترجمانی کرتا، ایک زمانے میں حضرت ابوہریرہ کو اس خدمت پر فائز دیکھتے ہیں[2] (سنہ ۷ ہجری کے آغاز میں یمن سے مدینہ آ کر مسلمان ہوئے تھے) اس سے پہلے جب وہاں بیسوں آدمی تھے تو واثلہ بن الاسقعؓ[3] یہ فریضہ انجام دیتے تھے، وہاں کی غذا کی نگرانی پر معاذ بن جبل بھی مامور نظر آتے ہیں[4]۔ یہاں کے تعلیم یافتوں میں ہم کو بعض بہت بڑی شخصیتیں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً مشہور فقیہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، مشہور قاری حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، مشہور محدث حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ، مشہور صوفی و اہل دل حضرت

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۱۰۶ (طبع جدید حدیث نمبر ۸۳۸) حضرت فاطمہؓ نے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی مانگی تو فرمایا کہ اصحاب صفہ کی ضرورتیں اہم تر ہیں۔

[2] الترتیب الاداریہ کتانی، ۱/ ۴۸۰ (نو سو کی تعداد قتادہ کے حوالے سے لکھی گئی ہے)،

[3] طبقات ابن سعد جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۳۔ ۱۴، مسند ابن حنبل، ۲/ ۵۱۵

ابوذر غفاریؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوالدرداؓ، حضرت ابن ام مکتومؓ، موذن نبوی حضرت بلال حبشیؓ، غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ بن ابی عامرؓ الراہب، فاتح عراق حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، فاتح آرمینیا حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، وغیرہ وغیرہ ان شخصیتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں وہ عقیدت پیدا کی ہے کہ نہ صرف اولیاء اللہ کے قاموس (اعلام و سوانح عمریوں کے کسی مجموعے) میں ان کے نام سرِ فہرست آتے ہیں بلکہ ان کے نام پر کی فہرستوں ہی پر متعدد تصنیفیں ملتی ہیں۔ ایک کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت مدینہ منورہ میں[1]۔ ایک اور دارالکتب المصریہ قاہرہ میں[2] میری نظر سے گزری ہیں آخرالذکر میں ان میں سے بعض کی خصوصیتیں بھی بیان ہوئی ہیں کہ کسی نے باتیں کرنی چھوڑ دی تھیں، کوئی ایسا تھا کہ کبھی ہنستا ہی نہ تھا، کوئی ایسا تھا کہ خوف خدا سے ہر وقت روتا ہی رہتا تھا، حارث بن امیہ کے متعلق لکھا ہے کہ دوستوں سے ملنے جلنے کو وہ "سید العبادات" سمجھتے اور تنہائی و یار باشی میں وہی فرق سمجھتے جو انفرادی نماز اور باجماعت نماز میں۔ غرض ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است۔ غالباً یہ عادتیں جناب رسالتؐ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد مستحکم ہوتی گئی ہوں گی،[3] چونکہ اسلامی تصورِ حیات میں روح اور بدن کو الگ نہیں کیا جاتا، اس لئے روحانی اور مادی ضرورتیں ایک ہی شخص پورا کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ اہلِ صفہ ہم کو فوجی مہمات کے سلسلہ میں بھی رضاکارانہ شرکت کرتے نظر آئینگے۔ جس طرح مجاہد

---

(۱) کتب خانہ عارف حکمت۔ مدینہ منورہ مجامیع ۲۹ نمبر ۵

(۲) دار الکتب المصریہ قاہرہ مجامیع: ۳۷۸

(۳) اس موضوع پر بعض اور پرانی کتابوں کا ذکر کتانی (تراتیب ۱/۸۰ ۴۷۹) نے کیا ہے۔

ریاضت میں وہ پیش پیش رہیں گے۔

مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز قبائل کے لوگ بھی یہاں آتے اور اپنا ضروری نصاب تکمیل کر کے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے۔[1]

رسول اکرمؐ اکثر اپنے ہاں کے تربیت یافتہ صحابیوں کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ فرماتے کہ ان کے علاقوں میں دینیات و قرآن کی تعلیم کا بندوبست کریں، کام ختم ہونے کے بعد وہ مدینہ واپس آجاتے۔[2] یہ فریضہ عام طور پر اہل صفہ کے سپرد کیا جاتا، جو علائق دنیوی میں کم پھنسے ہوئے ہوتے، جیسا کہ رجیع اور بئر معونہ کے سلسلے میں صراحت سے ذکر ملتا ہے۔[3] بئر معونہ کے موقع پر ستر قاری بھیجے گئے تھے۔ اس کثیر تعداد کی وجہ شاید یہ تھی کہ بہت وسیع علاقے اور بہت بڑے قبیلے میں کام کرنا تھا یا یہ کہ حفاظت مطلوب تھی (دو چار آدمیوں کیلئے خطرہ زیادہ ہوتا)

---

[1] صحیح البخاری کتاب ۷۸ (ادب)، باب ۲۷ (رحمت الناس البہائم)، حدیث نمبر ۱
تفسیر طبری، تفسیر خازن، تفسیر ابن کثیر وغیرہ، بر سورہ (۹) آیت (۱۲۲) جہاں حکم ہے کہ پوری قوم جہاد پر نہ جائے بلکہ چند لوگ تعلیم حاصل کر کے اوروں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں، نیز جامع بیان العلم لابن عبدالبر ۱/۱۰ تا ۱۲۔

[2] مثلاً مصعب بن عمیرؓ کا مدینہ بھیجا جانا، معاذ بن جبلؓ کا فتح مکہ پر وہاں متعین ہونا اور دیگر بے شمار واقعات، بعض کے لئے دیکھو تراتیب کتانی ۱/۳۴ و ما بعد

[3] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۶۳۸ و ۶۴۸ تا ۴۹ نیز دیگر مصادر

## نومسلموں کا دارالاسلام میں آبسنا

ہجرت کے ابتدائی زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی یہ مستقل سیاست تھی کہ جب مدینے کے باہر کے لوگ اسلام لاتے تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترک وطن کر کے مرکز اسلام کے قریب آبسیں۔[1] یہاں ان کو اپنی آبادی بسانے کے لیے سرکاری زمینیں بھی دی جاتیں[2]

ترک وطن کے اس حکم میں کئی مصلحتیں تھیں۔ مسلمانوں کی فوجی قوت میں اضافہ ان نومسلموں کو ان کے غیر مسلم وطن میں مذہبی ایذارسانی سے بچانا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی تعلیم و تربیت کا زیادہ آسانی سے انتظام کر سکنا (ایک دو کے آدمی کی تعلیم کے لیے خصوصی معلم کا ارسال کرنا آسان بھی نہیں)

ایک مرتبہ یمن کے قبیلہ عبس میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا ایک معلّم روانہ کیا گیا جس نے اپنے ہدایت نامے پر زور دینے کے لیے کہنا شروع کیا کہ جو ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں قبیلہ والے پریشان ہوئے مگر تھے سمجھدار انہوں نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تاکہ براہِ راست رسول اکرمؐ سے معلوم کریں کہ ہجرت کے حکم کا منشا کیا ہے، اور یہ عرض کریں کہ انہیں

---

[1] قرآن مجید سورۃ نساء (۹۸/۴)، ترمذی " عہد نبوی میں نظام حکمرانی " باب " ہجرت " یا نوآبادکاری از مولف۔

[2] سنن ابی داؤد کتاب ۱۵ (جہاد) باب ۳۶ (اقطاع الارضین حدیث نمبر ۳ وغیرہ (مسند حمیدی میں بتایا گیا ہے کہ بالآخر مدینہ منورہ میں انصار کے مقابلے میں مہاجرین کی تعداد آبادی میں اضافہ ہوگیا تھا، یوسف)

اپنا وطن چھوڑنے میں کس قدر معاشی نقصان ہے رسول اکرمؐ نے ان کی مشکلات کو سن کر انہیں اجازت دی کہ وہ اپنے وطن ہی میں رہیں، اور فرمایا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظ رکھا جائے گا جو اسلامی سرزمین میں ہجرت کر آنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے[1]

## مدینے میں روز افزوں مدرسے

نو واردوں کے باعث مدینے کی آبادی بڑھتی گئی ناگزیر مدارس میں میں بھی اضافہ کرنا پڑا ہر مسجد ایک مدرسہ کا کام دیتی تھی جو عہد نبوی میں مرکزی مسجد نبوی کے علاوہ کم از کم نو دیگر مسجدوں کا پتہ چلتا ہے[2] معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ اپنے ہمسائے کی جگہ مرکزی مدرسے کو ابتدائی تعلیم کیلئے بھی بے وجہ ترجیح دیتے تھے جس کے باعث غیر ضروری ہجوم ہو جاتا غالباً اسی سلسلے میں رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ اپنے پڑوسیوں سے تعلیم نہیں پاتے ہیں[3]

قبا کا گاؤں مدینہ کے جنوب میں دو ڈھائی میل پر واقع ہے یہاں کی مسجد کی قرآن میں بھی تعریف آئی ہے[4] یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرتؐ پابندی

---

[1] طبقات ابن سعد جلد اول قسم دوم صفحہ ۴۲

[2] انساب الاشراف للبلاذری (طبع مصر) ۱/۲۷۳، الروض الانف للسہیلی ۲/۳۲۲

[3] اصابہ لابن حجر نمبر (۱۷) ذکر ابزی الخزاعی "مابال اقوام لا یتعلمون من جیرانھم"

[4] قرآن مجید سورہ براۃ (۹/۱۰۸)

سے ہر ہفتہ وہاں تشریف لیجایا کرتے تھے[۱] اور وہاں کی تعلیم و تربیت کی شخصی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔

ان مسجدوں میں جو کچھ گزرتا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن جب رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں لوگ دو گروہوں میں بیٹے ہوئے ہیں، کچھ لوگ نفل نمازیں پڑھنے اور خدا کی عبادت کرنے میں مشغول ہیں تو کچھ اور تعلیم و تعلم میں منہمک، آپ نے ارشاد فرمایا: دونوں ہی گروہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے چنانچہ جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں ان کے متعلق خدا مالک و مختار ہے چاہے تو دے چاہے تو نہ دے، البتہ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم حاصل کر رہے اور جہالت دور کر رہے ہیں سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں، یہ کہتے ہوئے آپ نے اس حلقے میں اپنے لئے جگہ بنا لی جہاں درس ہو رہا تھا[۲]۔

---

[۱] انساب الاشراف للبلاذری (طبع مصر) ۱/۳۳۲ صحیح البخاری کتاب ۲۰ (صلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ) باب ۲ (مسجد قبا) نیز باب ۳ (من اتی مسجد قباء کل سبت) نیز مسلم، ابو داؤد، نسائی، طیالسی، ابن حنبل وغیرہ (بحوالہ مفتاح کنوز السنۃ لفنسک تحت عنوان "راکب"

[۲] کتاب العلم لابن عبدالبر ۱/۵۰ سنن ابن ماجہ، مقدمہ باب ۱۷ (فضل العلماء) حدیث ۱۰، تراتیب کتانی ۲/۲۱۹ تا ۲۲۰

یہاں اس مشہور و متداول حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے جس میں رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ایک عالم شخص، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت گزرتا ہے۔[۱]

آنحضرتؐ تعلیم کی جس طرح نگرانی فرماتے تھے، اس کا اندازہ ایک اور حدیث سے ہوگا جس میں بیان ہوا ہے کہ ایک دن مسجد نبوی میں قضا و قدر پر بحث ہونے لگی اور آواز بلند ہوئی۔ آنحضرتؐ نے سنا تو اپنے حجرے سے باہر آئے، غصّے سے آپ کا چہرہ تمتما رہا تھا اور راوی کے الفاظ میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انار کا رس رخساروں اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے اس موضوع پر بحث مباحثے سے منع فرمایا اور کہا بہت سی گزشتہ امتیں اس مسئلہ میں الجھ کر گمراہ ہو گئیں۔[۲]

## تعلیم کی تشویق

رسول اکرمؐ کی یہ ایک طے شدہ اور مستقل سیاست تھی کہ کسی مسجد میں امامت وہی کرے جو اس علاقے، اس مقام کا سب سے بڑا سیاسی افسر ہو، (قبیلے کا سردار، فوج کا سپہ سالار، صوبہ کا عامل یعنی گورنر وغیرہ) اور یہ عہدہ اسی شخص کو دیا جائے جو قرآن و سنّت کا زیادہ سے زیادہ ماہر ہو۔[۳]

---

[۱] سنن ابن ماجہ، مقدمہ باب ۱۷ (افضل العلماء) حدیث نمبر (۳) نیز جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان "عالم و فقیہ" بحوالہ بخاری و دیلمی نیز ترمذی باب ۳۹ (العلم)،

[۲] الشمائل للترمذی وغیرہ

[۳] مثلاً سنن ابی داؤد، کتاب ۲ (صلاۃ) باب ۶۱ (من احق بالامامۃ) وغیرہ

اس اصول کی بنا پر اگر نوجوانوں کو عمروں پر ترجیح دینی پڑے تو اس میں بھی تامل نہیں کیا جاتا تھا۔ "قرآن و سنت" کے معنے دینیات، اخلاق، قانون، غرض سارے اسلامی تمدن کے ہیں۔

**تدوین قرآن** قرآن کو نزول کے ابتدائی ایام ہی سے بیک وقت سہ گونہ طور پر محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی: (۱) ماہر استاد سے سیکھنا، (۲) لکھنا اور (۳) زبانی یاد کرنا کسی عبارت اور کسی متن کے تحفظ کی اس سے زیادہ مکمل کوشش ہو بھی نہیں سکتی اور ان تین اصولوں میں سے ہر ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے کہ کسی وقت حافظہ مدد نہ دے تو تحریر کی طرف رجوع کرنے سے یاد تازہ ہو جاتی ہے، اور اگر کسی تحریر میں سہو کتابت ہو تو حفظ کی مدد سے اس کو جانچا اور درست کیا جا سکتا ہے۔ اور ماہر استاد مبتدیوں کی ساری فطری کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی مذہبی کتاب کی تاریخ عالم میں حفاظت اور نسل بہ نسل اس کی انتہائی صحت کے ساتھ روایت کی ویسی نظیر ہی نہیں ملتی جو قرآن مجید کے متعلق آغاز سے آج تک ملحوظ رکھی جا رہی ہے۔

**تدوین حدیث** چونکہ قرآنی احکام کی تفصیل و توضیح سنت و حدیث نبوی سے ہوتی تھی، اس لئے قرآن کی طرح حدیث کا تحفظ بھی ضروری تھا، تعلیم کی کمی کے باعث دونوں کے گڈمڈ ہو جانے کا خوف بھی تھا، اس لئے احتیاط لازمی تھی، بہر حال قرآن اصل تھا تو حدیث اس کی فرع، اس لئے قرآن کے تحفظ پر جناب رسالتؐ نے خود توجہ فرمائی جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے کہ حدیث پر بھی رسول اکرمؐ خود

توجہ فرماتے تو یہ انکسار و تواضع کے خلاف ہوتا اور انانیت سی ہوتی، اسی لئے رسول اکرم ؐ نے اپنے ارشادات کی تدوین پر خود توجہ نہ فرمائی لیکن بعض صحابہ عہد نبوی ہی میں مشغول ہو گئے۔ تفصیل کی تو یہاں گنجائش نہیں[۱]۔ صرف یہ بیان کر دینا شاید کافی ہو گا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت ؐ کی اجازت سے حدیث مرتب کرنی شروع کی اور اپنی اس تالیف کو "صحیفۂ صادقہ" سے موسوم کیا[۲]۔ ایک انصاری کو بھی رسول اکرم ؐ نے ہدایت فرمائی کہ "اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لے" تاکہ یاد رکھنے کے قابل حدیثیں بھول نہ جائے[۳]۔

حضرت عمرو بن حزم ؓ کو یمن کا عامل (گورنر) بنایا گیا تو بہت سی تحریری ہدایتیں دی گئیں انہوں نے نہ صرف یہ ہدایت نامہ محفوظ رکھا بلکہ مختلف لوگوں کے نام لکھے ہوئے بیس ایک دیگر مکتوبات نبوی کی نقلیں بھی فراہم کیں، اور ان سب کا مجموعہ کتابی صورت میں مرتب کیا جو تا حال محفوظ ہے[۴]۔

حضرت انس بن مالک ؓ، رسول اکرم ؐ کے خادم خصوصی تھے اور

---

[۱] دیکھو میری تالیف صحیفہ ہمام بن منبہ کا مقدمہ

[۲] طبقات ابن سعد جلد رابع قسم دوم صفحہ ۸ تا ۹

[۳] ترمذی کتاب ۳۹ (علم)، باب ۱۲ (ما جاء فی الرخصۃ فیہ) حدیث نمبر (۱)

[۴] اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون کا ضمیمہ بروایتہ دیبلی (طبع دمشق)

رات دن محل مبارک ہی میں رہتے تھے، یہ بھی نہ صرف آنکھ دیکھی اور کان سنی باتیں لکھا کرتے بلکہ وقتاً فوقتاً اپنا مسودہ رسول اکرمؐ کو سنایا کرتے تاکہ سہو یا غلط فہمی ہوئی ہو تو اصلاح ہو جائے[1]۔

حضرت علیؓ کے پاس بھی کئی مکتوبات نبوی کا ایک پلندہ تھا[2]۔ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد بہت سے دیگر صحابہ نے بھی حدیث کی تدوین پر توجہ کی[3]۔

بہرحال رسول اکرمؐ کی تعلیمی کوششیں رائگاں نہ ہوئیں اور خواندگی میں اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت پر چند مہینے ہی گذرے تھے کہ قرآن مجید[4] نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم ادھار ہو صرف تحریری طور سے انجام پائے اور ایسے دستاویز پر کم ازکم دو اشخاص کی گواہی بھی ثبت ہوا کرے۔

---

[1] تقیید العلم الخطیب البغدادی صفحہ ۹۵ تا ۹۶، المحدث الفاصل الرامہرمزی، (مخطوطہ کوپرلو استانبول)، باب بعد الکتابۃ۔ سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنی تدوین حدیث (طبع کراچی)، صفحہ ۶۷ تا ۶۸، میں المستدرک للحاکم کا بھی حوالہ دیا ہے۔

[2] مثلاً بخاری کتاب ۹۶ (الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب ۲ (ما یکرہ من التعمق) (حدیث ۲)

[3] ایسے دس بارہ صحابہ کے حالات میرے "صحیفہ ہمام" کے مقدمے میں ملیں گے۔ مزید برآں تراتیب کتانی ۲/ ۲۷۷ میں حضرت واثلہ بن الاسقع کا بھی ذکر ہے۔ اس کتاب کا صفحہ ۴۳ مابعد بھی دیکھئے۔ [4] سورہ بقرہ (۲/ ۲۸۹)

اس کا منشا قرآن ہی کے الفاظ میں یہ تھا۔ اس طرح کی تحریری "شہادت" خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور شہادت کے اغراض کے لیے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے۔

مدینہ منورہ میں خواندگی کی کثرت ہو گئی ہوگی، ورنہ ایسا حکم نہیں دیا جاتا جو ناقابل عمل ہو، بہر حال یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص خواندہ ہو گیا ہو۔ خود مذکورہ آیت قرآنی میں پیشہ ور کاتبوں کی طرف اشارہ ہے جن کے وجود کا اور طور بھی پتہ چلتا ہے[1]۔ خواندگی آنے کے بعد جب تک پڑھنے کی چیزیں موجود نہ ہوں، یہ علم نہ صرف بیکار رہے گا بلکہ جلدی ہی آدمی اسے بھول بھی جائے گا۔ اس زمانے میں نہ کتابیں تھیں نہ اخبار، اس خلا کو بھی قرآن مجید پورا کر رہا تھا، سرکاری ضرورتیں بھی باقاعدہ طور پر پڑھائی جاتی رہیں، سیاسی معاہدات، ہمسایہ قبائل وغیرہ سے زبانی کی جگہ تحریری ہونے لگے، مدینے میں ایک شہری مملکت قائم کی گئی جس میں مسلمانوں اور غیر مسلم سارے باشندوں کی شرکت ناگزیر تھی، اسی طرح راعی و رعایا کے فرائض طے کر کے لکھے گئے اور دستور مملکت تحریر کیا گیا جو تاریخ عالم کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت ہے[2]۔

---

[1] مثلاً العقد الفرید لابن عبد ربہ (طبع بولاق مصر، ۲/۲۰۴) یکتبان بین الناس یکتبان بین القوم فی قبائلهم و میاههم الخ)

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے میری کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" باب "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور"

ہجرت کے اسی ابتدائی زمانے میں مسلمانوں کی مدینے میں مردم شماری کرائی گئی تو رسول اکرمؐ کے حکم سے یہ بھی تحریری طور پر انجام دی گئی[۵۱] فوجی مہمیں بھیجی جانے لگیں تو فوج قائمہ کی غیر موجودگی میں ہر وقت رضا کار بھرتی ہونی ناگزیر تھی، یہ کام بھی تحریری ہوتا[۵۲] اور ہر رضا کار اپنا نام و پتہ لکھواتا، تاکہ ایک طرف حکومت کو اطمینان ہو کہ مطلوبہ تعداد میں سپاہی موجود ہیں اور دوسری طرف ان رضا کاروں کو اطلاع بھی دی جا سکے کہ کب اور کہاں جمع ہوں مختلف "دشمن علاقوں" میں خفیہ نامہ نگار مامور کئے گئے جو تحریری طور پر رسول اکرمؐ کو مقامی حالات خاص کر فوجی تیاریوں سے باخبر کیا کرتے تھے، مکہ، خیبر، نجد، اوطاس وغیرہ کا اس سلسلے میں تاریخ میں صراحت سے پتہ چلتا ہے۔

اسلامی مملکت کا آغاز تو ہوا شہر مدینہ کے چند اجزاء سے لیکن وہ رفتہ رفتہ سارے جزیرہ نمائے عرب اور عراق و فلسطین کے چند جنوبی رقبوں پر عہد نبوی ہی میں پھیل گئی اور اس کا رقبہ تقریباً انیس بیس لاکھ مربع میل (یا تیس لاکھ مربع سے زائد کیلومیٹر) پر مشتمل تھا۔ رسول اکرمؐ کو بذات خود یہاں دس سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دینے پڑے، اور معاہدوں کے علاوہ گورنروں اور دیگر قبائلی سرداروں وغیرہ سے خط و کتابت کی روز افزوں ضرورت ہی

---

[۵۱] صحیح البخاری کتاب ۵٦ (جہاد) ۱۸۱ (کتاب الامام الناس) حدیث نمبر ۱

[۵۲] صحیح البخاری کتاب ۵٦ حدیث نمبر ۳

ہو گئی تھی، مجھے تاریخی کتابوں میں تا حال ایسے تین سو سے زائد مکتوبات نبوی کا پتہ چلا ہے[1]۔ اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مرسل الیہم عرب کے ہر حصے کے ہیں، دوسرے الفاظ میں عربی دکنی، خط پھیلتا جا رہا تھا اور ہر جگہ خواندگی مسلسل بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

## خطاطی کی ترقی

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عربی خط اصل میں بیرونی درآمد ہے، ان بیرونی زبانوں کی ابجد میں حروف ہجی عربی سے کم تھے ان کا سرمایہ اصوات "قرشت" پر ختم ہو جاتا تھا، عربی میں "ثخذ" "ضظغ" جیسے مزید حروف درکار تھے، ان کے لیے ابتداءً (ب، ح، د، ص، ط، ع) ہی سے کام چلایا جاتا رہا، اور سیاق و سباق اور انکل سے پڑھ لیا جاتا تھا بلکہ خود باقی حروف میں بھی نقطے نہ ہونے کے باعث (ب، ت) (ج، ح) (ر، ز) (س، ش) (ف، ق) اور خود (ب، ت، ن اور ی) میں خاص کر ابتدائی اور درمیانی حالت میں التباس ہو جاتا تھا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، چنانچہ خود عہد نبوی میں عربی خط میں جمالیاتی نقطۂ نظر سے بھی، اور ممکنہ التباسات کو دور کرنے کے لیے بھی توجہ شروع ہو گئی۔

حضرت معاویہ ۸ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ آئے، رسول اکرمؐ نے اس نوجوان میں ذہانت دیکھی تو اپنے کاتبوں میں شریک فرما لیا۔ ان کی ذیل کی روایت بظاہر اس زمانے سے متعلق ہے جب وہ نئے نئے ملازم

---

[1] میری کتاب الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، طبع دوم مصر ۱۹۵۶ء

ہوئے تھے اور ضرورت تھی کہ ان کے کام پر نظر رکھ کر تربیت دی جائے۔ چنانچہ حضرت معاویہ کے (زمانۂ خلافت کے) کاتب عبید بن اوس الغسانی کا بیان ہے۔

کتبت بین یدی معاویۃ کتاباً فقال لی: یا عبید! ارقش کتابک۔ فانی کتبت بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتاباً رقشتہ، (وفی روایۃ: فقال یا معاویۃ! ارقش کتابک) قلت: وما رقشتہ؟ یا امیر المؤمنین! قال: أعط کل حرف ما ینوبہ من النقط۔

ایک دن میں بیٹھا ہوا حضرت معاویہ کے لئے کچھ لکھ رہا تھا انہوں نے مجھ سے کہا اے عبید! اپنی تحریر پر رقش کرو، کیونکہ میں بھی ایک دن رسول اکرم ﷺ کے لئے کچھ لکھ رہا تھا تو حضور ﷺ نے بھی مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنی تحریر پر رقش کروں، (عبید غسانی نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ) اس پر میں نے پوچھا اے امیر المومنین! رقش کیا چیز ہے؟ کہا حروف پر شکلات یا التباس کے موقع پر نقطے لگانا۔[۱]

[۱] الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، جزو ثالث تقلیہ الاسماء باشکل والاعجام (مخطوطہ اسکندریہ بعنایت پروفیسر صبحی الصالح) تدریب الراوی للسیوطی، طبع قاہرہ صفحہ ۱۵۲ (نہ صرف حضرت معاویہ کے کتبۂ طائف پر نقطے لگے ہوئے ہیں بلکہ حضرت عمرؓ کی بردی (پاپیرس) مورخہ ۲۲ھ پر بھی جو مصر میں دستیاب ہوا ہے، نقطے ہیں تفصیل کیلئے دیکھو:

Adolf Grohmann, From the world of Arabic papyri (طبع مصر ۱۹۵۲ء صفحہ ۸۲)

ایک روایت بھی قابلِ ذکر ہے:

عن معاویۃ انہ کان یکتب بین یدیہ، فقال لہ: الق الدواۃ وحرف القلم وانصب الباء وفرق السین ولا تعور المیم وحسن اللہ، ومد الرحمٰن وجود الرحیم[1]

حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ وہ حضورؐ کے سامنے بیٹھے لکھ رہے تھے رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا دوات میں سیاہی درست کر اور قلم کو آڑھا رکھ اور (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) لکھتے وقت "ب" کو کھڑا کر اور "س" کو واضح کر اور "م" کو کانا مت بنا اور "اللہ" کو خوبصورت لکھ اور "الرحمٰن" کو لمبا کر اور "الرحیم" کو مزار کھ (اس پر گلکاری نہ کر)

ایک اور معنی خیز روایت یہ ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا اختلفتم فی الیاء والتاء فاکتبوھا بالیاء[2] (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں (ی) اور (ت) میں اختلاف ہو تو (ی) سے لکھا کرو مثلاً (یعلمون، تعلمون)

ان روایتوں سے اندازہ ہو جائے گا کہ عربی خط کی بنیادی اصلاح یعنی

---

[1] التراتیب الاداریہ للکتانی، جلد اول صفحہ ۲۱۲ بہ ظاہر شفاء قاضی عیاض کے حوالے سے)

[2] اسد الغابۃ لابن الاثیر جلد اول صفحہ ۱۹۳ (ایسا حکم وہی شخص دے سکتا ہے جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو)

ہم شکل حرفوں میں نقطے کے ذریعے سے امتیاز اسی زمانے میں شروع ہو گیا۔ جس کے باعث ہر آواز کے لئے الگ حرف وجود میں آ گیا۔ اور وہی نظام اب تک جاری و کارآمد ہے۔ نیز خطاطی کا راستہ کھل گیا اور یہ ذہن نشین کرو دیا گیا کہ تحریر کا منشا یہ ہے کہ پڑھنے والا نہ دشواری محسوس کرے اور نہ تذبذب اس سلسلے میں یہ حدیث بھی قابل ذکر ہے کہ "اپنی تحریروں پر ریگ ڈال لیا کرو"[1] جاذب کی غیر موجودگی میں ریگ سے عبارت خشک کئے بغیر اگر کاغذ موڑ لیا جائے تو حروف کے مٹ جانے کا خوف ہوتا ہے اور ایک حدیث ہے کہ "لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہیئے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے، کیونکہ لکھوانے والے کو زیادہ آسانی سے یاد دہانی ہو جاتی ہے"[2] یا تو اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ کاتب زبان سے کچھ نہ کہے ورنہ لکھوانے والے کے خیالات پراگندہ ہو کر جملہ بگڑ جائے گا اور ظاہر ہے کہ لکھوانے والا چند الفاظ کہنے کے بعد انتظار کرے گا کہ کاتب ان کے لکھنے سے فارغ ہو تا کہ عبارت کی تکمیل کر لے، اسی طرح اس حدیث کا یہ منشا بھی ہو سکتا ہے کہ سیاہی بھرا قلم زمین پر نہ ڈال دیا جائے کہ فرش پر دھبے لگ سکتے ہیں اور بے خیالی میں کوئی شخص دیکھے بغیر گذرے تو اسے روند سکتا ہے۔ بہر حال ان سارے احکام کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنے کیلئے وہ

---

[1] ترمذی، کتاب الاستیذان، ابن ماجہ کتاب الادب باب ترتیب الکتاب (نمبر ۲۷۴۲، تراتیب کتانی ۱/۱۲۷ تا ۱۳۶)

[2] طبقات ابن سعد جلد دوم قسم دوم صفحہ ۱۵، العقد الفرید لابن عبد ربہ (طبع بولاق) ۲/۲۰۴ تراتیب کتانی ۱/۱۲۵ تا ۱۲۶۔

زمانہ پیش نظر رکھنا چاہیے، جب محض لکھنا پڑھنا بھی ایک بڑا کمال سمجھا جاتا ہو[1] اور فن کا آغاز ہو رہا ہو، یہ بھی کہ یہ تعلیم نبیؐ امی سے مل رہی ہے۔

خطوط پر مہر لگانے کا آغاز بھی رسول اکرم سے ہوتا ہے[2]۔ دستخط بعض وقت پڑھے نہیں جاتے، بعض وقت خط بھیجنے والا خود نہیں لکھتا بلکہ لکھواتا ہے، اس لئے توثیق کی ضرورت ہوتی ہے سرکاری مراسلوں میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

**خصوصی استعداد** عہد نبوی میں یک فنی ذوق یا تخصیص ترقی کرتا نظر آتا ہے اور خود جناب رسالتؐ اس کی حوصلہ افزائی فرماتے چنانچہ ایسی حدیثیں ملتی ہیں کہ فلاں چیز (قرأت قرآن فرائض و قواعد تقسیم ترکہ وغیرہ) کا سب سے زیادہ ماہر فلاں صحابی ہے[3]۔ حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق "اعلمہم بالفرائض" (تقسیم ترکہ کے قواعد کا سب سے زیادہ عالم) نیز افرض امتی (میری امت میں قواعد تقسیم ترکہ کا سب سے بڑا ماہر) کے الفاظ رسول اکرم صلعم

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم ثانی صفحہ ۱۴۱، فتوح البلدان للبلاذری صفحہ ۴۷۴۔

[2] صحیح البخاری کتاب ۳ (علم) باب ۷ (ما یذکر فی المناولۃ حدیث ۲) ایضاً کتاب ۷۷ (لباس) باب ۵۰ (نقش الخاتم) نیز باب ۵۲ (اتخاذ الخاتم) فتوح البلدان البلاذری باب الخاتم، تراتیب کتانی ۱/۱۷۷، ۱۸۰ (متعدد دیگر حوالوں کے ساتھ)

[3] تراتیب کتانی ۲/۲۲۷ تا ۲۳۰ (بحوالہ ترمذی و ابن حنبل وغیرہ)

[4] طبقات ابن سعد جلد ثانی، قسم ثانی صفحہ ۱۱۵

سے مروی ہیں تو حضرت عمرؓ کا قول بھی[۱] کسی حدیثِ نبوی ہی کی اساس پر مبنی ہے کہ "جسے قواعد ترکہ کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہو وہ زید بن ثابتؓ کے پاس حاضر ہو" ہمارے ایک ہمعصر بڑے عالم نے (بدقسمتی سے حوالے کی صراحت کے بغیر[۲]) لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے قواعد تقسیم ترکہ (قانون وراثت) پر ایک کتاب تالیف کی تھی۔

**مترجم** اس سلسلے میں مترجموں کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے، یہ معلوم ہے کہ مدینے میں جو یہودی رہتے تھے وہ عام طور پر بولتے تو مقامی (عربی) زبان تھے لیکن ان کی علمی زبان عبرانی تھی، اسی طرح مدینے میں بہت سے حبشی بھی نظر آتے ہیں اور عید وغیرہ کے موقع پر ان کا عوام کی دل بہلائی میں حصہ لینا اور نیزہ بازی کے کمالات دکھانا وغیرہ تاریخ میں محفوظ ہے (نیز صحیح بخاری وغیرہ) ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ وہاں ایرانیوں کی بھی کچھ آبادی ملتی ہے ان میں سے کم از کم بعض غلام تھے اگر ہمارا یہ گمان صحیح ہے کہ اس کا باعث وہ جنگ ہے جو اس زمانے میں ایرانیوں اور بیزنطینیوں میں چل رہی تھی تو پھر اس پر بھی تعجب نہ ہو کہ ایرانیوں کی طرح رومی (بیزنطینی) غلام بھی ملک میں پائے جاتے ہوں گے، مکے اور طائف میں تو ان کے وجود کا صراحت سے پتہ چلتا ہے اور گمان ہوتا ہے کہ وہ مدینے میں بھی تھے اس

[۱] طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم ثانی صفحہ ۱۱۵

صورت حال کا نتیجہ ہے۔ بعض لوگوں کو اس کا ملکہ ہوتا ہے کہ اجنبی زبانیں بڑی آسانی سے سیکھ لیتے ہیں اور کسی حکومت کو مترجمین کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، لہٰذا تعجب نہ ہو کہ مسعودی[۱] کے مطابق زید بن ثابتؓ فارسی، رومی (یونانی) قبطی اور حبشی زبانوں کے لئے رسول اکرمؐ کے مترجم تھے اور یہ کہ ان زبانوں کے بولنے والوں سے یہ زبانیں سیکھ لی تھیں۔ ابن عبدربہ[۲] کے الفاظ بھی دلچسپ ہیں: کہتے ہیں کہ زید نے فارسی کسریٰ کے سفیر سے سیکھی، رومی رسول اکرمؐ کے حاجب (دربان) سے حبشی حضورؐ کے خادم (خواجہ سرا) سے اور قبطی حضورؐ کے ایک خادم سے مگر اس بیان میں کہتے ہیں کہ الفاظ ہمیں ترمیم و اصلاح کی اجازت دیدیں گے، سفیر کا قیام مختصر ہوتا ہے، اس سے زبان سیکھنا خلافِ قیاس ہے، غالباً راوی کہنا یہ چاہتا ہے کہ زید بن ثابتؓ جو فارسی پہلے ہی تھوڑی جانتے تھے، جب یہ سفیر آیا تو اس سے بات چیت کا موقع ملا۔ آں حضرتؐ کے کسی رومی (یونانی) حاجب کا مجھے کہیں تاریخوں میں تاحال ذکر نہیں ملا، ممکن ہے راوی کی مراد بابور سے ہو، جو مقوقس نے بی بی ماریہ قبطیہ کے ہمراہ تحفے میں بھیجا تھا یہ قبطی شخص علاوہ قبطی کے یونانی زبان جان سکتا ہے، کیوں کہ اس زمانے میں مصر کا تعلق بیزنطینی سلطنت ہی سے تھا، رسول اکرمؐ کے موالی (آزاد کردہ غلام) اور خدمت گاروں میں حضرت یسار کا بھی

---

[۱] التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۲۸۲۔

[۲] العقد الفرید لابن عبدربہ (طبع بولاق) ۲/۴۰۲۔

پتہ چلتا ہے جن کے متعلق مورخ[1] صراحت کرتے ہیں نوبی (حبشی) تھے۔

سفیروں کی ارسالی میں بھی مورخ[2] صراحت کرتے ہیں کہ ایسے ہی شخص کو بھیجا جاتا تھا جو ان ملکوں کو جانتا اور زمانہ جاہلیت میں وہاں کا سفر کر چکا ہو، گویا وہاں کی زبان بھی جانتا ہو، تجارت اور کسب روزگار وغیرہ کے لیے عربوں کا رحلۃ الشتاء والصیف[3] (سرما اور گرما کا سفر) اتنا معروف واقعہ ہے کہ اس پر مجھے یہاں کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں۔

## نصاب تعلیم

یہ سب جانتے ہیں کہ انسانی معاشرہ ایسے افراد کا مجموعہ ہے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں، اسی طرح متخصص سے متخصص ایک فنی آدمی کو مختلف علوم کی ذیلی و ضمنی طور پر ضرورت پڑتی رہتی ہے، اس قدرتی صورت حال کے باعث تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے، پہلے بنیادی معلومات جن کا جاننا ہر متمدن انسان، خاص کر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے، اور دوسرے تفصیلی و تحقیقی معلومات جو کسی علم یا فن میں اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کے لئے درکار ہوتی ہیں۔

پہلی یعنی ہر شخص اساسی تعلیم میں عقائد و طریقہ عبادت، مبادی حفظان صحت (غذا، طہارت، لباس، رہائش وغیرہ) معمولی نوشت و خواند

---

[1] مثلاً انساب الاشراف للبلاذری (طبع مصر) ۱/ ۷۹ م

[2] الروض الالف للسہیلی ۲/ ۲۵۳۔ [3] اس پر لیں نے ایک مستقل مقالہ فرانسیسی میں شائع کیا ہے۔

ایلاف AL-ILAF ON LES SAPPORTS ECONOMICO-DISPLOMATIQUES DE LA MECQUE PRE ISLAMIQUE (DANS: MELANGES MASSIGNUN, 1957)

تھوڑا بہت حساب اور اسباق الاشیاء یعنی جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہاں کے کارفرما قوانین قدرت کی عام واقفیت شامل کی جاسکتی ہے اور فرشتہ خصائل زاہدوں سے قطع نظر کریں تو اوسط دنیادار انسان کے لئے دل بہلائی اور راحت (مثلاً قصہ کہانی، موسیقی یا فنون لطیفہ) کا بھی اعتدال کے ساتھ لحاظ کرنا پڑے گا نیز فنون دفاع کا کہ ہم جنسوں کی افتاد طبع کے باعث اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

دوسری یعنی اختصاص پیدا کرانے اور اپنے فن کا ماہر بنانے والی تعلیم ہے۔ بنیادی تعلیم کے بعد تجربہ، مطالعہ اور متعلقہ معلومات حاصل کرنے کے لئے ہر وقت ھل من مزید کی دھن کے سوا کوئی اور وسیلہ نہیں، آدمی مجبور ہے کہ تن، من، دھن سے اپنے مقصد میں لگا رہے اور فضولیات میں وقت ضائع نہ کرے۔ اول الذکر یعنی اساس تدریس کے دو پہلو ہیں: نظری تعلیم اور عملی تربیت، اس بارے میں عہد نبوی میں کیا انتظام تھا، اس کا معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔

اساسی یا بنیادی تعلیم کے دو طریقے ممکن ہیں یا تو یہ کہ ہر ضروری فن پر الگ الگ رسالہ لکھایا اور پڑھایا جائے یا یہ کہ سارے ضروری علوم پر ایک جامع کتاب تیار کر کے وہی پڑھائی جائے اور معلومات اس طرح سموئے جائیں کہ طالب علم کو چاہے دلچسپی ہو یا نہ ہو، سارے ضروری معلومات اس کے کان پر پڑ جائیں، ہر فن کے معلومات اگر الگ الگ ابواب میں لکھے جائیں تو لوگ بعض ابواب کو پڑھیں اور بعض کو نہیں، اس لئے ان معلومات کو منتشر اور مدغم کر دیا جائے۔ جس فن سے کسی کو دلچسپی نہیں،

اس کی بھی چند چند سطری چیزیں، اِدھر اُدھر دلچسپی کی چیزوں کے اندر آجائیں تاکہ ذرا بھی بار نہ گزرے۔

عہد نبوی میں قرآنِ مجید کے سوا کوئی کتاب باقی نہیں جاتی، قرآن کو ہر مسلمان اللہ کا کلام اور وحی مانتا ہے۔ لیکن عہد نبوی میں چونکہ لوگوں کو مدارس میں صرف قرآن مجید ہی پڑھایا جاتا تھا، اس لئے تدریسیات کے نقطۂ نظر سے اس کے مندرجات پر غور کرنا بیجا نہ ہوگا۔ اور اس عبارت کو بے ادبی نہ سمجھا جائے گا۔

قرآن مجید ایک بڑی کتاب ہے جو اوسط تقطیع کے چار پانچ سو صفحوں میں آتی ہے، اگر کوئی چھوٹا رسالہ دس بیس صفحوں کا ہو اور نہایت دلچسپ افسانہ بھی ہو تو آدمی پندرہ بیس بار پڑھنے کے بعد بیزار ہو جائے اس کے برخلاف پانچ سو صفحوں کی ضخیم کتاب کو آدمی ساری عمر مطالعہ میں رکھ سکتا ہے، اگر ہر روز نہ بھی پڑھے بلکہ وقتاً فوقتاً چند صفحے تو تکمیل کو مہینوں لگ جائیں گے۔ تکمیل کے بعد پھر از سرِ نو شروع کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ طبیعت پر بار کے بغیر ساری عمر جاری رہ سکتا ہے، قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورے یعنی باب ہیں، طویل بھی، مختصر بھی، پڑھنے والے کی طبیعت کا بار اس طرح گھٹ جاتا ہے کیوں کہ ان میں کا ہر باب اپنی جگہ مستقل چیز ہے، یہ نہیں کہ ساری کتاب ختم کئے بغیر قصہ ختم ہی نہ ہو اوپر جو اصول بیان ہوا کہ سارے ضروری علوم نصابی کتاب میں اِدھر اُدھر سمو دئے جائیں۔

نفسیات کی جدید ترین تحقیق بتاتی ہے کہ سننے والے کی توجہ ہمیشہ

اس کا بھی قرآن مجید میں پورا لحاظ ہے چنانچہ اس میں عقائد بھی ہیں (تاکہ آدمی اپنے خالق کو پہچانے اور اپنے وجود اور زندگی کا مقصد سمجھے) عبادت کا طریقہ بھی (کہ عبد معبود کے باہمی تعلقات اور فرق مراتب ملحوظ رہیں) حفظان صحت کی تعلیم بھی (کہ کونسی غذائیں صحت کے لیۓ اور کونسی مضر ہیں، استنجا اور غسل کی ضرورت کب ہے وغیرہ) سماجی اور اجتماعی تعلقات کے اصول بھی (تاکہ "لا ضرار ولا ضرار" نہ خود ضرر اٹھاؤ اور نہ دوسرے کو ضرر پہنچاؤ چاہے یہ معاہدات تجارت، یا معاملات معاشی ہوں یا غریبوں کی امداد وغیرہ، اس ضمن میں سود، جوا، لاٹری، بیمہ، سرمایہ داری، اشتراکیت اور مماثل چیزوں کے متعلق اسلام کا اپنا نظام بیان ہوا ہے) اس میں قوانین ملکی بھی ہیں (مثلاً نکاح، طلاق، وراثت

حیاتیات، طبیعات وغیرہ کے مبادی جن کا جاننا ہر ہر فرد کے لیۓ ضروری ہے، نماز روزے کے لیۓ طلوع وغروب اور سحر و شفق کا پہچاننا ناگزیر ہے تو قبلہ معلوم کرنے کے لیۓ علم جغرافیہ کا ذبیحے کے لیۓ علم تشریح الابدان کا قرآن مجید میں ایک، تو ان کی طرف اشارے ہیں کہ مدرس ان کی تشریح سمجھاتا جاتا ہے۔ یہ اشارے گویا معلوم چیزوں کے نوٹ اور ان کا خلاصہ یادداشت کے طور پر ہے، دوسرے بار بار یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ ساری کائنات چاند، سورج، ستارے سمندر، بادل، ہوا، زمین سب ہی انسان کے لیۓ پیدا کیۓ گۓ ہیں، اور انسان کے مسخر ہو سکتے ہیں، ہر شخص کو اس کی

اپنی محنت و کوشش کے مطابق دنیوی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید کے قصّے بھی کثرت سے ہیں اور سبق آموز بھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگذشت کو "احسن القصص" کہا گیا ہے، اس میں حُسن و عشق بھی ہے، تریاچر تر بھی، عفت و اصول پسندی بھی، جاسوسی و غداری کا بُرا اور اصول پسندی و دیانتداری کا اچھا انجام بھی والدین کی محبت، غربا پروری، حکمرانی میں سیاسی دوراندیشی وغیرہ وغیرہ، اور ضمناً تبلیغ دین اور تذکیر فرائض انسانی بھی اس قصّے میں آگئے ہیں۔

قرآن مجید کو تجوید و ترتیل سے پڑھیں تو دنیا کا بہترین گانا بجانا بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قراءتِ قرآن میں آواز کا ترنم، سُر، لے، اتار، چڑھاؤ ایسے ہیں کہ سننے والا اس کی (عربی) زبان کا محتاج نہیں رہتا بلکہ قرآنی قراءت کی موسیقی انسان کو محض اپنی آواز ہی سے مسحور کر لیتی ہے۔

نفسیات کی جدید ترین تحقیق بتاتی ہے کہ سننے والے کی توجہ ہمیشہ

ایک نقطے پر مرتکز نہیں رہتی، اور غائب دماغی کو روکنے کے لیے ایک آہنگی کو بار بار توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے دلاسلکی اور ریڈیو کی تقریریں خاص کر دُعا ہے، پروپگنڈے وغیرہ کی تقریروں میں اس کا جو لحاظ رکھا جاتا ہے وہ روزمرہ کا مشاہدہ اور ہر شخص کی جانی بوجھی چیز ہے، اس کا قرآن مجید میں بھی بڑا لحاظ ہے، عربی ہی میں نہیں، اس کے ترجمے میں بھی آدمی محسوس کرتا ہے کہ بار بار انداز مخاطب بدلتا رہتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو ایک ہی جملے کے اندر ضمیر غائب و متکلم بدل بدل کر استعمال کیے جاتے ہیں، قصہ میں جملہ معترضہ کے طور پر نصیحتیں، نصیحتوں میں جملہ معترضہ کے طور پر قصے سب ہی ہیں۔

اس "ساری عمر بار بار پڑھتے رہنے کی کتاب" میں ایک مزید چیز یہ ہے کہ پڑھنے ہی کی نہیں، غور کرنے کی چیزیں بھی بکثرت آتی ہیں۔ کسی چیز کی زیادہ تفصیل نہیں۔ اس کی طرف محض ایک اشارہ ہوتا ہے۔ اور آدمی مجبور ہو جاتا ہے کہ اس پر غور کرے یا اس کو سمجھنے کے لئے اس کی پوری تفصیلیں معلوم کرنے کی کوشش کرے، یہ تفصیلیں ظاہر ہے کہ قرآن میں مندرج ہر فن کے متعلق ہوں گی۔ تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے سارے علوم (قانون، دینیات، تاریخ، جغرافیہ، سائنس سب ہی) براہ راست قرآن سے ماخوذ اور قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں پیدا ہوئے اور بڑھتے بڑھتے بڑ کے درخت کی پارمبیوں کی طرح مستقل اور تناور درخت بنتے گئے۔

علم کی اس بے انتہا وسعت اور افراد انسانی کی صلاحیتوں کا عظیم الشان اختلاف اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ کوئی مبادیات پر اکتفا کرے تو کوئی تخصیص اور کمال پیدا کرے، اس بارے میں عہد نبوی کا جو مواد محفوظ رہا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا، معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ (جیسا کہ اب ہوتا ہے) معینہ معلّم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو پڑھا سکتا اس سے پڑھتے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنّت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ رسولِ اکرم ﷺ نے بطور خاص قرآن مجید کی آیتوں کے مفہوم پر زور دیا تھا جن میں نشانہ بازی [1]

---

[1] قرآن سورہ انفال (۸/ ۲۰) جمیع الجوامع للسیوطی، تحت عنوان علموا وتعلموا (بحوالہ ابن مندہ ابونعیم دیلمی) انساب الاشراف للبلاذری طبع مصر (۱/ ۵) تراتیب کتانی (۲/ ۳۱۴)

پیراکی[۱]۔ تقسیم ترکہ کی ریاضی[۲]۔ علم طب[۳]۔ علم ہیئت[۴]۔ علم انساب[۵]۔ علم تجوید قرآن[۶] کی طرف اشارہ ہے۔

---

۱ـہ حضور اکرمؐ کا خود پیراکی سیکھنا (ابن سعد جلد اول قسم اول صفحہ ۷۳) وغیرہ پیراکی سیکھنے کا حکم دینا جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان علموا (بحوالہ ابونعیم وابن مندہ)

۲ـہ قرآن سورۂ نساء (۴/۱۱ تا ۱۳ نیز ۱۷۶) جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان تعلموا۔ (بحوالہ طبرانی، دارقطنی وغیرہ)، سنن ابی داؤد کتاب ۱۸ (فرائض) باب ۱، سنن ابن ماجہ کتاب ۲۳ (فرائض) باب ۱ (الحث علی تعلیم الفرائض، کتاب العلم لابن عبدالبر ۱/۱۵۴۔

۳ـہ قرآن سورۂ آل عمران (۳/۱۹۱)، جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان تعلموا من امر النجوم (بحوالہ ابن سنی)، تراتیب کتانی ۲/۳۱۲ تا ۳۱۴ (بحوالہ ابونعیم وغیرہ)

۴ـہ قرآن سورۂ نحل (۱۶/۶۹)، سورۂ شعراء (۲۶/۸۰) جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان تعلمن (بحوالہ مالک)

۵ـہ قرآن سورۂ فرقان (۲۵/۵۴) سورہ حجرات (۴۹/۱۳)، جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان تعلموا من انسابکم (بحوالہ مالک، ترمذی، بیہقی، طبرانی)، یہ بھی یاد دلایا جاسکتا ہے کہ جب حسان بن ثابتؓ مشرکین مکہ کی ہجو کرتے تو رسول اکرمؐ نے انہیں کہا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ سے انساب معلوم کرلیا کریں تاکہ خود رسول اکرمؐ کے خاندان پر نادانستہ طعن نہ ہو جائے تراتیب کتانی ۲/۳۰۰ تا ۳۰۳ (بحوالہ طبرانی وغیرہ)

۶ـہ قرآن سورۂ اسراء (۱۷/۱۰۶)، نیز سورۂ مزمل (۷۳/۴)، بخاری وغیرہ کی حدیثیں یکجا طور پر ذیل تفسیر ابن کثیر برفضائل القرآن (جلد ۴ ضمیمہ صفحہ ۳۳ و مابعد) میں ملیں گی۔

حیرت نہ ہو کہ حدیث میں یہ بھی حکم ہے کہ استاذ کی عزت کریں،
حالات و افراد کے لحاظ سے کبھی تو حضور اکرمؐ نے اساتذہ و معلمین کے لیے
پڑھانے کا معاوضہ قبول کرنے کو مکروہ ٹھہرایا اور کبھی اجازت دی، کراہت
کے سلسلہ میں اکثر مؤلف اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت عبادہ
بن الصامتؓ کو رسول اکرمؐ نے درس گاہ صفہ میں قرآن مجید پڑھانے
اور فن تحریر سکھانے پر مامور فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے کسی شاگرد نے انہیں
ایک کمان نذر کی، حضور کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ کمان نہیں دوزخ کی آگ
ہے[1]۔ غور کرنے پر میری ناچیز فہم میں یہ بات آتی ہے کہ حضرت عبادہؓ سرکاری
ملازم تھے اور (غالباً) اس کی تنخواہ بھی پاتے تھے، اپنے فرائض منصبی کی ادائی
میں تنخواہ کے بعد کسی مزید اظہار تشکر کی اجازت گویا رشوت ستانی ہوتی اور
ملازمین کو اپنی تنخواہ کے علاوہ اسامیوں کی جیب پر نظر رکھنے کا دروازہ کھلتا
عرب میں کم از کم شہر مکہ میں اس کا پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے باشندے زبان کی
صفائی، لہجے اور فصاحت کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ نوزائیدہ بچوں کو مختلف
خانہ بدوش قبائل میں بھیج دیتے تھے جہاں وہ کئی سال رہ کر والدین کے
پاس واپس آتے، خود رسول اکرمؐ کو بھی اس کا سابقہ رہا[2] اور اسے ہمیشہ
مسرت ہی سے یاد رکھا کرتے تھے[3] شہر کے مقابلہ میں صحرا کی آب و ہوا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب ۲۲ (بیوع) باب ۳۷ کسب العلم۔ [2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۰۳ و مابعد۔
[3] الجامع الصغیر للسیوطی ۱/ ۲۶۷، ۲۶۹ (تحت عنوان أنا أعرب، أنا أعربکم، بحوالہ
ابن سعد و طبرانی)

پاک صاف ہوتی اور صحت کے لئے موزوں تر ہوتی ہے اسی طرح شہروں میں ہر جگہ کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، اس لئے شہروں کی زبان بھی اتنی پاک اور لہجہ ہر شخص کا اتنا خالص نہیں ہوتا جتنا دنیا سے الگ تھلگ اور صرف اپنے ہی رشتہ داروں کے مجمع میں رہنے والے بدوی قبیلے میں، مجھے مکہ معظمہ میں بتایا گیا کہ نوزائیدہ بچوں کو صحرا میں بھیجنے کا رواج وہاں کے معززین میں اب تک پایا جاتا ہے۔

تربیت دلانے کا ایک مزید طریقہ مکہ والوں میں یہ پایا جاتا تھا کہ تجارت کے لئے جو کارواں جایا کرتے، اس میں کسی معمر اور تجربہ کار شخص کے ساتھ نوعمروں کو بھیج دیا کریں، چونکہ مکہ کی معاشی زندگی کا دار و مدار بڑی حد تک خارجہ تجارت پر تھا، اس لئے اس طریقہ کی اہمیت نوعمروں کے لئے جیسے کچھ بھی ظاہر ہے، بیرون ملک (بیرون عرب) کا سفر بے آب و گیاہ صحرا کا ہفتوں، مہینوں میں عبور، تاراج اور لٹیرے رہزنوں کا قدم قدم پر وجود، آب و ہوا کے باعث دن کی جگہ رات میں سفر اور ایسے علاقے میں سفر جہاں نہ روشنی نہ سڑک اس کی جرأت نہ اکا دکا کر سکتا ہے اور نہ بغیر تربیت کے، رسول اکرم کو بھی اس کا موقع ملا تھا [۱]

**بچوں کی تعلیم** عہد نبوی میں بھی نوعمروں اور معمروں کی تعلیمی ضرورتوں کے فرق کو محسوس کر لیا گیا تھا چنانچہ احادیث میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کو کن چیزوں کی تعلیم دی جائے، نشانہ اندازی،

---

[۱] مثلاً سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۱۵ و مابعد، ۱۱۹ مابعد۔

اور پیراکی خاص طور سے بچپن ہی سے سکھائی جاتی تھیں، اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ سکھانا اور نماز کا عادی بنانا بھی بچپن ہی سے ملحوظ رکھا جاتا، اور حکم تھا کہ سات برس کی عمر کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں تو انہیں سزا دی جاتی رہے۔

---

حاشیہ از ڈاکٹر یوسف الدین

**بچوں کی تعلیم، کنڈر گارٹن**

عصر جدید میں چھوٹے بچوں کی ذہنی نفسیات کا مطالعہ کر کے بچوں کی تعلیم و تربیت کو کنڈر گارٹن کے طریقوں سے بڑی ترقی دی گئی ہے کنڈر گارٹن، گلشن اطفال (روضۃ الاطفال) ایسے مدرسوں کو کہتے ہیں جہاں کھلونوں وغیرہ کے ذریعہ چھوٹے بچوں کو تعلیم و تربیت دی جاتی ہے کھلونوں، خوشنما رنگ برنگی پھولوں کے نمونوں، رنگین جاذب نظر تصویروں، پھلوں چرندوں، پرندوں، وغیرہ کے ہو بہو ماڈلس (نمونوں) پھر نباتات، حیوانات اور جمادات خصوصاً رنگین ہیرے جواہرات کی تصویروں، پوسٹل اسٹامپس، گلکاریوں، نقشوں تصویروں بلکہ سلائیڈس، سینما ریل اور ٹیلیویژن کے ذریعہ بڑے بڑے کارخانوں مثلاً پارچہ بافی کے کارخانوں، کاغذ سازی، طباعت (پرنٹنگ) کے کارخانوں، لوہے کے کارخانوں، ریلوے انجن، کوچ فیکٹری، بحری جہاز سازی اور ہوائی جہاز سازی بجلی گھروں، اور اب تو ان کو چاند پر اترنے، چاند پر چہل قدمی کرنے، دیگر اجرام فلکی اور مختلف سیاروں کی ایک جھلک بتائی جاتی ہے۔ ان سے بچوں کی دلبستگی کا سامان ہی نہیں، بلکہ بچوں کی معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا ہے۔ جغرافی معلومات کے علاوہ آگے چل کر صنعتی اشیاء کی تیاری کا شوق بچپن ہی سے دلایا جاتا ہے۔ جاہلیت میں یہودیوں کے مدرسے خیبر اور یثرب (مدینہ) میں تھے۔ اور خود رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے مدرسہ "بیت المدارس" تشریف لے گئے تھے۔

مسلمان لڑکوں کو جنگ بدر کے قیدیوں کی مدد سے مدینے میں لکھنا پڑھنا سکھانے کا ذکر اوپر آچکا ہے، بچوں کے کشتی لڑنے کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔[1]

**عورتوں کی تعلیم**

عورتوں پر خصوصی توجہ کی گئی اور جائیداد کی ملکیت، نکاح میں اظہار رضامندی اور دیگر فرائض و ممنوعات میں مردوں کا ہم پلہ قرار دے کر انہیں اپنی شخصیت کا احساس پیدا کرایا گیا۔ ہجرت سے بھی آٹھ دس سال پہلے حضرت عمرؓ کی بہن کا قرآن مجید کی تعلیم پانا اوپر (حصہ قبل ہجرت میں) بیان ہوا۔

مدینہ آنے پر حضور اکرمؐ نے ہفتہ میں ایک دن عورتوں کی تعلیم کے لیے مقرر فرمالیا تھا۔ آپ پابندی سے عورتوں کے مخصوص مجمع میں تشریف لے جاتے، ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کا جواب دے کر تشفی کا سامان کرتے۔[2] بے کاری کے اوقات میں عورت کے لیے چرخہ کاتنا آنحضرتؐ نے دل بہلائی کا بہترین سامان اور اچھا مشغلہ بتایا[3] جس طرح آج کل سلیقہ مند شریف زادیاں سوزن کاری، کروشیا، نٹنگ وغیرہ کا مشغلہ رکھتی ہیں۔

---

[1] مثلاً سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵٦۰ (ذکر سمرۃ بن جندبؓ)

[2] صحیح البخاری کتاب ۳ (علم) باب ۳۵ (هل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم)

[3] جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان علموا (نعم لھو المومنۃ فی بیتھا المغزل) بحوالہ ابو نعیم و (ابن مندہ) تراتیب کتانی ۲/۱۱۹ تا ۱۲۱ بحوالہ ابو نعیم وغیرہ (علموا ابناءکم السباحۃ والرمایۃ نعیم لھو المومنۃ فی بیتھا الغزل المغزل)

خود لونڈیوں کے متعلق ایک مشہور حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی لونڈی ہو، اور اُسے تعلیم دے اور وہ بھی اچھی تعلیم اور اس کی تربیت کرے اور وہ بھی اچھی تربیت، پھر اُسے آزاد کر کے اس کی مرضی سے باضابطہ نکاح کرے تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔[۱]

رسول اکرمؐ کی بیویاں سب سلیقہ مند اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں، قرآن مجید نے صراحت سے امہات المومنین پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ قرآن و حکمت کی دوسروں کو تعلیم دیا کریں[۲]۔ بعد کے زمانے میں ان ازواج مطہرات کو محدث کی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور رسول اکرمؐ کے اقوال و افعال کی انہوں نے کثرت سے روایت کی ہے[۳]۔

ان میں سے بی بی حفصہؓ کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ وہ لکھنا اور پڑھنا دونوں جانتی تھیں[۴]۔

---

[۱] صحیح البخاری جہاد ۱۴۵، علم ۳۱ عتق ۱۴، ۱۶، انبیاء ۴۸، نکاح ۱۲، صحیح مسلم ایمان ۲۴۱، ترمذی، نکاح ۲۵، نسائی نکاح ۶۵، ابن ماجہ نکاح ۴۲، دارمی نکاح ۴۶، ابن حنبل ۳۹۵/۴، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۱۴ کتاب العلم لابن عبدالبر ۹۲/۱ تا ۹۳۔

[۲] قرآن سورۂ احزاب (۳۴/۳۳)

[۳] جوامع السیرۃ لابن حزم صفحہ ۲۷۵ و مابعد (اسماء الصحابۃ الرواۃ مالکل واحد من العدد) انساب الاشراف للبلاذری (طبع مصر) ۴۱۵/۱۔

[۴] جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

بی بی عائشہؓ[۳] اور بی بی ام سلمہؓ[۴] کے متعلق بھی صراحت ملتی ہے کہ وہ پڑھنا جانتی تھیں اگرچہ اپنے ہاتھ سے خود کبھی کچھ لکھا نہیں، دیگر ازواج مطہرات نے بھی قرآن مجید کی تلاوت کے لیے پڑھنا ضرور سیکھا ہوگا۔ بی بی عائشہؓ کو فقہ، علم تقسیم ترکہ (کے حساب)، دیگر اسلامی علوم، ادب، شاعری انساب و تاریخ اور طب میں بھی بڑا دخل تھا[۵]۔ ایک دوسرے شعبۂ حیات میں بی بی صفیہؓ کا پکوان بہت مشہور ہے[۶]

بی بی حفصہؓ کی تعلیم کا واقعہ دلچسپ بھی ہے اور کسی قدر تحقیق کا محتاج بھی، ان کی ایک رشتہ دار خاتون شفاء بنت عبداللہ العدویہ ایک دن ملنے

---

۳ و ۴ فتوح البلدان للبلاذری صفحہ ۴۷۲ (حاشیہ از ڈاکٹر محمد یوسف الدین)
موطأ امام مالکؒ جس کا شمار حدیث کی قدیم ترین کتابوں میں ہوتا ہے، ام المومنین حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام ابو یونس جو کتابت سے واقف تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ:

اَمَرَتْنِي عَائِشَةُ اَنْ اَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا ... (موطا، کتاب الصلاۃ، الصلاۃ الوسطیٰ)

حضرت عائشہؓ نے مجھے قرآن مجید لکھنے کا حکم دیا۔

اسی طرح عمرو بن رافع جو اچھے کاتب تھے بیان کرتے ہیں کہ:-

كُنْتُ اَكْتُبُ مُصْحَفًا لِحَفْصَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِينَ (موطا کتاب الصلاۃ، الصلاۃ الوسطیٰ)

میں ام المومنین حضرت حفصہؓ کے لئے قرآن مجید لکھا کرتا تھا۔

۵ انساب الاشراف للبلاذری (طبع مصر) ۴۱۶/۱

۶ سنن نسائی کتاب ۳۶ باب ۴ حدیث نمبر ۳

آئیں تو رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا تو نے حفصہ کو جس طرح لکھنا سکھایا ہے، اسی طرح اسے رقیۃ النمل (چیونٹیوں کا منتر) بھی سکھا دے[1] ابن عبد البر[2] نے اس "منتر" کے کچھ الفاظ بھی نقل کئے ہیں اور ان کے بیان سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ چیونٹی کاٹ لے تو اس کا زہر اتارنے کے لئے یہ جھاڑ پھونک کی جاتی تھی۔ ایک اور توضیح بھی ذہن میں آتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ بعض اوقات آدمی بے خیالی میں حرکت کئے بغیر کچھ عرصہ خاص انداز میں بیٹھا رہے تو خون کی حرکت کا رخ بدل جاتا ہے، پھر پہلو بدلے تو خالی رگوں میں دوبارہ خون بھرنے اور گردش کرنے لگتا ہے تو چند لمحے تکلیف دہ سنسنی محسوس ہوتی ہے، اسے بھی عرف عام میں پاؤں میں چونٹیاں بھرنا کہا جاتا ہے، اس کا بہتر علاج یہ ہے کہ چند لمحے توجہ کسی دوسری چیز میں لگائی جائے! عرب عورتوں میں ایک پرانی زبان زد روایت چلی آرہی تھی۔ ایک نہایت فصیح و بلیغ، دلچسپ اور مسجع و مقفیٰ عبارت تھی (مگر یہ ضرر کہ اس میں بت پرستی یا بھوت پریت کا کوئی ذکر نہ تھا بلکہ صرف خدا سے مدد چاہی جاتی تھی) عورت اس "منتر" کو پڑھنے لگتی اور سننے والا اس میں چند سکنڈ کے لئے محو ہو جاتا، واللہ اعلم، بہرحال اس روایت سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرمؐ زبان زد کہاوتوں اور عوامی علم (FOLKLORE) کو محفوظ رکھنے کے بھی حامی تھے بشرطیکہ وہ اسلام کے خلاف

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطب باب ۱۸ (ما جاء فی الرقی)

[2] الاستیعاب لابن عبد البر، حصہ نسوان نمبر (۱۷)، حالات شفاء بنت عبداللہ۔

نہ ہو۔ اس استنباط کی تائید سراپائے رسول کی اس مشہور حدیث سے[1] بھی ہوتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنے صحابہ میں بیٹھے ہوتے تو جس چیز پر وہ ہنستے آپ بھی ہنستے، جس چیز سے وہ دلچسپی لیتے آپ بھی لیتے، اسی طرح موطا وغیرہ[2] میں سماویات اور استمطار بالنجوم کے متعلق عربی معلومات رسول اکرمؐ کی زبانی مروی ہیں۔

ام ورقہ مدینے کی ایک انصاری عورت تھیں اور حافظہ قرآن بھی (بعض روایتوں میں ان کا نام بنت نوفل آیا ہے تو بعض میں بنت عبداللہ بن الحارث) رسول اکرمؐ کی اجازت سے یہ اپنے خاندان کی مسجد میں، اپنے گھر کے لوگوں کی امامت کیا کرتیں[3] (اس پر فقہا و محدثین میں بڑی بحث ہے کہ آیا یہ ابتدائے ہجرت کا اور منسوخ حکم ہے، یا یہ کہ آزاد بالغ عورت نابالغ مردوں نیز غلاموں کی امامت کر سکتی ہے) راوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "میں نے اس مسجد کے بوڑھے موذن کو خود دیکھا ہے، جو ام ورقہ کے لئے اذان دیا کرتا تھا" (اور یقیناً اقتداء بھی کیا کرتا تھا)

---

[1] انساب الاشراف للبلاذری ۱/۳۸۹ وغیرہ

[2] موطا، امام مالک کتاب ۱۳، باب ۵، تفسیر ابن کثیر ۳/۳۴۷ (بر سورۂ شعراء آیت ۱۹۵) کتاب الانوار لابن قتیبہ صفحہ ۱۷۰ مع حاشیہ

[3] استیعاب لابن عبدالبر، حصہ کنی النساء نمبر ۱۰۷ (ام ورقہ) سنن ابی داؤد کتاب ۲ (صلاۃ) باب ۶۲ (امامۃ النساء) تراتیب کتانی ۱/۴۷۔

## تعلیم کا سرکاری بندوبست

عہد نبوی کی مملکت اسلامیہ پہلے پہل شہر مدینہ کے بھی صرف ایک حصہ پر مشتمل تھی، اور رفتہ رفتہ پھیل کر حضور اکرمؐ کی وفات کے وقت کوئی اٹھارہ، انیس لاکھ مربع میل (تیس لاکھ مربع کیلومیٹر) کے رقبے پر ممتد ہو چکی تھی نہ صرف خانہ بدوش بدویوں بلکہ شہروں میں مستقل سکونت رکھنے والے عربوں نے بھی روز افزوں تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا تھا[۱]۔ ایک نئے دین سے واقف کرانے کی ضرورت کے معنے یہ تھے کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، چونکہ یہ سارا علاقہ اور یہاں کی ساری آبادی ایک ساتھ حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئی بلکہ بتدریج اور ارتقاء سے سابقہ رہا۔ اس لئے اسلامی حکومت اس سے بہ آسانی عہدہ برآ ہوسکی، عموماً طریقہ یہ تھا کہ صفّے کے "مدرسہ تعلیم المعلمین" کے چند آدمیوں کو نئے ملحق شدہ علاقہ میں کچھ عرصہ کے لئے بھیج دیا جاتا[۲]۔ یہ عقائد دینیات کی تعلیم کے سوا قرآن کی جامع کتاب نصاب سے مقامی آدمیوں کو واقف کرا دیتے اور پھر مدینہ واپس چلے آتے، بعض وقت یہ صوبائی لوگ مرکز حکومت (مدینہ) آتے اور چند ہفتے تا چند مہینے تعلیم و تربیت حاصل کر کے وطن واپس ہو جاتے (صحیح بخاری[۲] وغیرہ میں قبیلۂ عبد القیس کے متعلق جو خلیج فارس پر رہتا تھا اس کی صراحت ہے)

نظم و نسق کی ترقی پر جب صوبوں میں گورنر (عامل) مامور ہونے

---

[۱] جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

[۲] صحیح البخاری کتاب ۳ (علم) باب ۲۵ (تحریض النبی)

گئے تو ان کے فرائض منصبی میں یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کیا جاتا کہ وہ اپنے ماتحت علاقوں میں تعلیمی ضرورتوں کا مناسب بندوبست کریں۔[1] یمن کے عامل حضرت عمرو بن حزم کے نام جو طویل تقررنامہ (تقرری ہدایت نامہ) رسول اکرم ﷺ نے لکھ کر دیا تھا، اسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔[2] اس میں صراحت سے ذکر ہے کہ لوگوں کو قرآن، حدیث، فقہ، دینیات اور اسلامی علوم و اخلاق کی تعلیم کا بندوبست کریں، اسی دستاویز میں ایک دلچسپ جملہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اور دنیوی تعلیم میں کس طرح فرق کرنا چاہیے۔ اور وہ جملہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات کی نرمی سے[3] ترغیب دو کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کریں، عاملوں (گورنروں) کو جس تعلیم کے بندوبست کا حکم تھا اس میں دینیاتی ضرورتوں میں سے وضو، جمعہ کا غسل، نماز باجماعت، روزہ اور حج کعبہ کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

**ناظر تعلیمات**

صوبہ وار درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظر تعلیمات مقرر فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع و تعلقات میں مسلسل دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے، اور اس خدمت پر مشہور عالم معاذ بن جبل انصاری رضی کو مامور کیا تھا۔[4] یمن سارے عرب میں اپنی زرخیزی اور سرسبزی میں نظیر نہیں رکھتا، اسے یمن شاید کہتے ہی اسی لیے ہیں کہ وہاں یُمن

---

[1] تراتیب کتانی ۱/۴۲م و مابعد (بہ کثرت حوالے) [2] دیکھو میری کتاب الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۱۰۵ (متن اور حوالے) [3] وثیقہ مذکورہ فقرہ (۸) [4] تاریخ الطبری حالات سنہ ۱۰ھ (صفحہ ۱۸۵۲ تا ۱۸۵۳، نیز ۱۹۸۳)

برکت ہے اور اسی مفہوم کو ترجمہ کر کے فرنگی زبانوں میں اسے ARABIA (FELIX) کہتے ہیں، وہاں کی شادابی نے تمدن و تہذیب کی بھی آبیاری کی اور اتینا (ایتھنس) اور روم کے شہروں کے بننے سے بھی پہلے یہاں والوں نے اپنی ثقافت کو جو شاندار ترقی دے لی تھی، نہ اس کی روایتیں ہزار بکلتوں اور اجنبی تسلیوں کے باوجود نابید ہو سکتی تھیں اور نہ وہاں کے باشندوں کے عطائے قدرت اور ذکاوت و حساسی کی فطری صلاحیتیں مٹ سکتی تھیں، تعجب نہ ہو جب پہلے پہل یمنی لوگ اسلام لانے لگے اور اس کا آغاز ہجرت سے بھی پہلے ہوتا ہے[۱] تو رسول اکرمؐ نے بے ساختہ فرمایا" الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ والفقہ یمان"[۲] (ایمان و دینداری یمنی چیز ہے حکمت و فرزانگی یمنی چیز ہے، علمی سمجھ یمنی چیز ہے) غالباً یہی وجہ ہے کہ یمنیوں کے علمی ذوق و شوق کے باعث وہاں تعلیم کے انتظام بھی زیادہ ہوئے اور قابل ترین صحابہ مدینے سے وہاں بھیجے گئے۔ علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے حضرت علیؓ[۳] اور حضرت عمرو بن حزمؓ[۴] بھی وہاں مختلف عہدوں پر مامور ہوتے رہے۔

---

[۱] مثلاً سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۵۲ تا ۲۵۴ (طفیل بن عمرو الدوسی)

[۲] بخاری کتاب ۶۱ (مناقب) باب ۲ حدیث ۳؛ ایضاً کتاب ۶۴ (مغازی) باب ۷۴ (قدوم الاشعریین)؛ مسلم کتاب الایمان حدیث ۸۲ تا ۹۰؛ ابن حنبل نمبر ۱، ۲۰۱، ۲۴۲، ۲۶۶، ۲۷۶، ۲۹۴ وغیرہ نیز ترمذی، دارمی وغیرہ۔ (متقدم و تاخر الفاظ) (دیکھو مفتاح کنوز السنہ نفسک تحت عنوان حکمت ایمان) [۳] مثلاً سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۶۷۔ [۴] ایضاً ان کے تقرر نامے کا ذکر ہوا ہے۔

(ناظرِ تعلیمات ممکن ہے اور صوبوں میں بھی مامور ہوئے ہوں لیکن صراحت صرف یمن کی حد تک ملی ہے) ۔

**شاعری** شاعری سے ہمیں یہاں براہِ راست بحث نہیں ہونی چاہیے۔ بہر حال علم و آداب کی وہ بھی ایک بڑی شاخ ہے، حدیث میں وارد ہے "اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لحکمۃ و اِنَّ من البیان لسحرا" (بعض شعر حکیمانہ ہوتے ہیں تو بعض تقریروں میں جادو بھرا ہوتا ہے) بعض شاعروں کے کلام سے رسول اکرمؐ نے خود استدلال فرمایا ہے[۱] اور حسان بن ثابت وغیرہ کے کمالاتِ شعری سے آپ کیا استفادہ فرماتے تھے[۲] کہ ان کو ملک الشعرا یا درباری شاعر کہنا بھی بیجا نہیں ۔

**فلسفۂ تعلیم** آخر میں تعلیم کی نظری حیثیت کے متعلق بھی قرآن و حدیث کے بعض بیانات کی طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ شروع سے آخر تک اور صاف و صریح الفاظ میں بار بار اندھی تقلید کو بُرا ٹھہرایا گیا ہے ۔ کبھی ان لوگوں کا حقارت سے ذکر

---

[۱] کتاب بخاری ۷۸ (ادب) باب ۹۰ (ما یجوز من الشعر)؛ ایضاً کتاب ۶۷ (نکاح) باب ۴۷ (الخطبہ) نیز کتاب ۷۶ (طب) باب ۵۱ (من البیان سحرا) سنن ابی داؤد کتاب ۴۰ (ادب) باب ۸۴ (ما جاء فی الشعر) نیز ترمذی ابن ماجہ دارمی ابن حنبل (دیکھو مفتاح کنوز السنۃ نعک تحت عنوان شعر سحر۔

[۲] مثلاً بخاری کتاب ۶۳ (مناقب الانصار) باب ۲۶ (ایام الجاہلیہ) حدیث ۱۰ (لبید) انساب الاشراف للبلاذری ۱/۳۵۶ (حسان بن ثابت) شعر سحرا/۲۳ (مطرود الخزاعی)

ہوا ہے جو کچھ سوچے سمجھے بغیر کہتے ہیں: "وَجَدنا علیہ اباءَنا"[1] (ہم نے اپنے آبار واجداد کو ایسا ہی کرتے پایا) کبھی تعقل، تفکر، تدبر، تذکر کے الفاظ ہیں تو کبھی نظر و بصیرت کے الفاظ ہیں[2] ہر چیز حتی کہ خالص دینی اور ایمانی چیزوں کے متعلق بھی سوچ بچار کرنے کی دعوت دی گئی، کبھی یہ کہا گیا ہے کہ دنیا میں سیر و سفر کرکے[3] وہاں کی تاریخ اور وہاں کی نکبتوں کے اسباب کا مطالعہ کرو، کسی اور مذہبی الہامی کتاب میں فطرت کے مطالعہ پر اتنا زور نہیں دیا گیا ہوگا، جتنا قرآن مجید میں ہے کہ سورج، چاند، ستارے سمندر کا ذخار پانی اور کوہ پیکر موجیں، دن اور رات کا ایک دوسرے کے پیچھے گھومتے رہنا، چمکتے ستارے، دمکتی فجر، پودے، نباتات، حیوانات، جمادات معدنیات تمام ہی قوانین فطرت اور اٹل سنتِ الہٰی کے تابع بنائے گئے ہیں ان سے ان کے خالق کی قدرت کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے اور ان سے استفادہ انسان کے بس میں ہونے کے باعث انسان پر شکرانہ بھی واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ خَلَقَ لکم (تمہارے لئے اس نے پیدا کیا) جَعَلَ لکُم (تمہارے لئے بنایا) سَخَّرَ لکم (تمہارا مسخر بنایا) وغیرہ کے الفاظ میں بار بار خدا کی انسان پر کی ہوئی یہ نعمت یاد دلائی گئی ہے، اور "وماخلقتُ الجِنَّ والانس

---

[1] قرآن ۵/۱۰۴؛ ۷/۲۸؛ ۳۱/۲۱ وغیرہ

[2] قرآن مجید کا کوئی اشاریہ ملاحظہ ہو بکثرت حوالے۔

[3] قرآن سورۂ یوسف (۱۲/۱۰۹) وغیرہ متعدد بار

اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[1] "خدا فرماتا ہے، میں نے جن و انس پیدا نہیں کیا مگر صرف اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں) کے الفاظ میں غافل اور فرض ناشناس آدمیوں سے بھی اتمام حجت کرلی گئی ہے۔ قرآن مجید[2] کے مطابق علم لامتناہی چیز ہے اور یہ کہ ہر[3] جاننے والے کے اوپر ایک زیادہ جاننے والا بھی ہوتا ہے، یہ کہ انسان زمین میں خدا کا نائب ہے[4] اور اسے ایک دن جب حساب کتاب دینا ہوگا تو انفرادی برتاؤ اور کردار ہی کے مطابق جانچا جائے گا۔

احادیث نبوی میں علماء کی اتنی تعریف کی گئی ہے کہ ان کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے[5]۔ یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ آدمیوں میں سب سے بہتر لوگ علماء[6] ہیں۔ طالب علم کی اس سے زیادہ کیا عزت افزائی ہوسکتی ہے کہ ایک حدیث کے مطابق[7] طالب علم کی گذرگاہ پر فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں I

---

[1] قرآن سورۂ ذاریات (۵۱/۵۶) [2] قرآن سورۂ اسراء (۱۷/۸۵) [3] قرآن یوسف (۱۲/۷۶)
[4] قرآن سورۂ بقرہ (۲/۳۰) سورۂ ص (۳۸/۲۶) [5] بخاری کتاب ۳ (علم)، باب: ۱۰ العلم قبل المقول) ترمذی کتاب ۳۹ باب ۹؛ بیان العلم لابن عبد البر ۱/ ۳۴؛ سنن ابی داؤد کتاب ۲۴ (علم)، باب ۱ (الحث علی طلب العلم)؛ سنن ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۷ (فضل العلماء) حدیث ۳۔
[6] دارمی مقدمہ باب ۲۵، نیز ۳۱؛ سنن ابی داؤد کتاب ۲۴ (علم)، باب ۱ (الحث علی العلم)
[7] جامع بیان العلم لابن عبد البر ۱/ ، تا ۹۱؛ جمع الجوامع للسیوطی تحت عنوان اطلبوا۔ دیکھو الہ شعب الایمان للبیہقی والکامل لابن عدی۔ I (حاشیہ از ڈاکٹر یوسف الدین۔ ایک دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے کہ من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتیٰ یرجع، ترجمہ: جو علم کی طلب میں نکلا وہ اللہ کے راستہ میں ہے یہاں تک واپس آئے)

آخر میں ایک اور حدیث کا ذکر کروں گا، محدثین کرام اپنی غایت احتیاط کے باعث اور جانچ پڑتال کی کڑی شرطوں کے مدنظر یہ ضرور کہتے ہیں کہ اس کے راوی ضعیف ہیں یا اس کی روایت کافی قابلِ اطمینان طور پر نہیں ہوئی۔ لیکن بہرحال متعدد محدثوں نے اس کا ذکر کیا ہے" اطلبوا العلمَ ولو بالصین فانّ طلبَ العلم فریضۃٌ علیٰ کلِ مُسلمٍ و مسلمۃٍ"[۱] علم سیکھنے جاؤ، چاہے چین (جیسے دور دراز ملک) ہی میں کیوں نہ ہو، کیونکہ علم کی تلاش ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے" عرب اور چین کے بعد المشرقین کے باعث یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ حدیث بعد کے زمانے میں چینی مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے کسی نے گھڑی ہے۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اسلام سے پہلے چینی جُنک (بحری جہاز) عرب کی (عمان و بحرین کی بندرگاہوں میں کافی کثرت سے آیا کرتے تھے۔

حدیث[۲] میں یہ بھی ثابت ہے کہ بعثت سے قبل رسول اکرمؐ بے عبدالقیس کی سرزمین (یعنی اسی عمان و بحرین) میں ایک مرتبہ سفر کے دوران میں کافی طویل قیام فرمایا تھا اور وہاں کے شہر دبا کے سالانہ میلے کے متعلق مورخ[۳] صراحت سے بیان کرتے ہیں، وہاں چینی بھی سامان بیچنے لایا کرتے تھے ان توابع و شواہد کے باعث چین کے سفر کی حدیث غیر قرینِ قیاس نہیں رہتی۔

---

[۱] مروج الذھب للمسعودی ۱/ ۳۰۸، نیز لیوتسکی کا مقالہ ذیل :-

T. LOW RICKI, LES PREMIERS COMMERCANTS ARABS

EN. CHINE (IN. ROYINK ORIENTALIST. OZNY K 1. 1. 166. 1936 LWOW)

[۲] مسند احمد ابن حنبل ۴/ ۲۰۶۔ [۳] کتاب المحبر لمحمد بن حبیب صفحہ ۲۶۵۔

## فنی تعلیم

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو ہر شخص خود ہی سیکھ لیتا ہے لیکن ان کے اجتماعی فوائد کے مدنظر حکومت ان کی سرپرستی کرتی ہے تاکہ لوگ غفلت نہ کریں بلکہ روز افزوں مہارت ہی بڑھاتے جائیں ۔ اس سلسلہ میں زیادہ تر فوجی ضرورتیں پیش نظر ہوتی کہی جا سکتی ہیں ۔ کیوں نہ ہو، خود قرآن مجید (سورہ ۸ آیت ۶۰) میں اُعدوالہم (فوجی تیاریاں کرو) کا تاکیدی حکم وارد ہے ۔

اس زمانے میں دور رس اور دُور زن ہتھیاروں میں تیر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، تعجب نہ ہو کہ رسول اکرمؐ نے اس پر خاص توجہ فرمائی اور نہ صرف نشانہ بازی سیکھنے کی بار بار تاکید کی بلکہ تیر سازی کی بھی، تفصیلوں میں گئے بغیر ابوداود[۱] کی ایک روایت کی طرف اشارہ کروں گا جس میں جناب رسالتؐ کا ارشاد ہے کہ ایک ہی تیر سے تین آدمی جنت میں جا سکتے ہیں، جن میں ایک تیر ساز ہے جو اپنا پیشہ نیک نیتی سے حسبۃ اللہ جاری رکھے، لسان العرب (مادّہ یثرب) میں لکھا ہے کہ یثرب یعنی مدینہ منورہ کے تیر ضرب المثل تھے، یثرب کے معنے ہیں ظلم ڈھانے والا، کوئی تعجب نہیں اس کی وجہ تسمیہ یہ تیر ہی ہوں ۔

لسان العرب ہی میں (مادہ قین) بتایا گیا ہے کہ لوہاری کا کام قبل اسلام ہی بدوی عربوں میں رائج ہو گیا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں وہ خود مدینہ منورہ میں اتنا عام ہو گیا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد

---

[۱] ابوداود کتاب الجہاد باب ۲۴ ۔

نبوی میں وہ خود مدینہ منورہ میں اتنا عام ہو گیا تھا کہ دھاتوں کو گلانے، صاف کرنے اور ان سے ضرورت کی چیزیں (زیور، برتن، ہتھیار وغیرہ) بنانے کا کام ہر شخص کی دیکھی بوجھی چیز ہو گئی تھی، جب ہی تو قرآن مجید (سورہ ۱۳، آیت: ۱۷) بے تکلف یاد دلاتا ہے "کہ وہی ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے جس سے اپنی اپنی سکت کے مطابق ندیاں بہہ پڑتی ہیں اور سیل پر پھولی ہوئی جھاگ تیرتی رہتی ہے بالکل ایسی ہی وہ چیز ہوتی جس پر لوگ آگ دھونک کر زیور یا دیگر استعمالی سامان بنانا چاہتے۔

اللہ حق باطل کی اسی طرح مثال دیتا ہے، چنانچہ دھاتوں کی جھاگ تو پھینک دی جاتی ہے لیکن جو چیز انسان کے لئے کارآمد ہے وہ زمین پر رہ جاتی ہے، اللہ اسی طرح مثالیں دیتا ہے"۔ لوہے (حدید) کے نام سے قرآن میں ایک پورا سورہ ہی (نمبر ۵۷) ہے اس کی آیت (۲۵) کے ان الفاظ کی معنی خیزی کس سے پوشیدہ رہ سکتی ہے کہ "وَ اَنزَلنَا الحَدِیدَ فِیہِ بَاسٌ شَدِیدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ" اور ہم نے ہی لوہا عطا کیا ہے جس میں شدید ضرر رساں قوت بھی ہے اور لوگوں کے فائدے بھی۔ I

---

I (حاشیہ از ڈاکٹر محمد یوسف الدین) جیسا کہ استاد محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے واضح کیا ہے کہ قرآن مجید ہی مسلمانوں کی عام معلوماتی تعلیم کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ چنانچہ :-

| | |
|---|---|
| **دھاتی صنعتیں** (میٹل اینڈ سٹریز) | قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو ذوالاید (دستکار) کے خطاب سے |

حاشیہ صفحہ (۷۷) سے آگے)

مخاطب کر کے قارئین کی آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ لوہے کو گلا گلا کر ان کو باریک تاروں میں بدل رہے ہیں اور موڑ موڑ کر ان سے زرہ کی کڑیاں بنا رہے ہیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس صنعتی تعلیم و تربیت میں ان کی رہنمائی اس طرح ہو رہی ہے کہ :-

اِنْ عْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ — لوہے کی زرہیں بنا اور اندازے سے اس کی کڑیاں جوڑ۔

ج ۲۲، السبا رکوع ۲ ع

کہیں حضرت سلیمان کے صنعتی کارخانے کا تذکرہ ہو رہا ہے اور کام کرنے والے صناع کاریگر تماثیل سازی (مجسمہ سازی) ظروف سازی وغیرہ میں مشغول ہیں اور کیسے کیسے ظروف اور برتن مثلاً بڑی بڑی دیگیں، دیگچے، حوضوں کے جیسے لگن اور بائلرس مختلف کارخانہ (فیکٹریوں) میں بن رہے ہیں۔

یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَاءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ۵ — وہ (کاریگر) حضرت سلیمان کے لئے جو وہ چاہتے تھے بناتے تھے قلعے، مجسمے اور حوضوں کے سے لگن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں (بائلر میں)

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا — کام کرو داؤد کے گھرانے والو حق مان کر۔

ج ۲۲، السبا رکوع ۳ ع ۲

## جہاز سازی

قرآن مجید حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے پڑھنے والوں کے سامنے اس شکل میں پیش کرتا ہے کہ بڑے بڑے شہتیروں کو وہ جہازی تختوں میں بدل کر ان میں لوہے کی مینخیں (دسر) ٹھوک رہے ہیں۔

وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ (ج ۲ ہود ۱۱ ع ۴) — نوح کشتی بنا رہے ہیں۔

کیسی کشتی ؟!

ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ          تختوں اور میخوں والی۔

ج ۲۷، القمر ۴ ۵ عَ

پھر اس کشتی نوح کی وسعت کا خاکہ اس طرح پیش کیا ہے:

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ          وہ کشتی موج میں ایسی چلتی ہے کہ گویا ایک

ج ۱۲ ہود ۱۱ عَ          پہاڑ ہے دکہ چلا آرہا ہے)

گویا وہ آج کل کا بڑا جہاز تھا۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام بحری سفر کرتے تھے۔ ہجرت حبشہ کے وقت صحابہ جدہ سے ہمیشہ جہاز ہی میں گئے۔ ان آیتوں کو ذہن نشین کرانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے ایک بہت بڑا بحریہ تیار کیا کہ صحابہ کرام نے شام سے ہرے قبرص کا سرسبز و شاداب جزیرہ فتح کیا پھر حضرت امیر معاویہ نے اسلامی بحریہ کو مزید ترقی دی کہ مسلمانوں نے کریٹ، مالٹا اور سسلی کا جزیرہ فتح کیا پھر چند صدیوں کے اندر مسلمان بحیرہ روم پر چھا گئے کہ بقول روح ابن خلدون "بحیرہ روم میں عیسائیوں کا ایک تختہ بھی نہ تھا۔" مسلمانوں کی ایک طرف یورپ کے ملکوں سے اور دوسری طرف جنوبی ہند، لنکا، ملایا، سماٹرا، جاوا (انڈونیشیا) اور چین کے ملکوں سے مسلمانوں کی بحری تجارت ہونے لگی، جغرافیہ داں ادریسی کے بموجب شمالی افریقہ کے عربوں اور بربروں کے بحری جہاز کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے سے قبل برازیل پہونچ گئے تھے، ادھر شمس الدین احمد ابن ماجد عرب امیر البحر نے واسکو ڈی گاما کو جنوبی افریقہ سے کالی کٹ کی بندرگاہ تک پہونچایا۔ تفصیل مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب "عربوں کی جہازرانی" میں ملے گی۔ عرب تاریخوں نے اس واقعہ کو بھی محفوظ رکھا ہے کہ نہر سویز کی تعمیر کا منصوبہ بھی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تھا غرض ایک طرف عربوں کی جہازرانی اور ترکوں کی جہازرانی

دبابہ سازی: ۷ھ[1] کے غزوۂ خیبر میں دشمن نے منجنیق استعمال کیا تھا۔[2] مال غنیمت میں اس پر قبضے کے بعد اُسے پھر مسلمانوں نے استعمال کیا ایک ہی سال بعد غزوۂ طائف میں منجنیق دبابہ اور ضبور کے قلعہ شکن آلات[3] مسلمان استعمال کرتے ہیں، ابن ہشام[4] نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے طائف کی جنگ میں حصہ نہ لیا۔ کیونکہ یہ لوگ دبابہ سازی کی تعلیم پانے جرش گئے تھے لیکن بظاہر ابھی یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے مقریزی نے بھی لکھا ہے کہ دشمن یعنی قبیلہ ہوازن نے اپنے آدمی جرش بھیجے تھے تاکہ "دبابے اور منجنیق بنائیں" اس جنگ میں مسلمانوں کا منجنیق کہتے ہیں سلمان فارسی نے بنایا تھا اور منجنیق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹)

پر بہت کچھ تحقیقی کام ہوتا ہے۔ دوسری طرف مراکش سے انڈونیشیا تک پھر سے مسلمانوں کی سیادت قائم ہو رہی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو جدید جہازرانی اور جہاز سازی میں فنی مہارت حاصل کرنی چاہیئے کہ ہوائیہ کی طرح بحریہ کی اہمیت جوں کی توں برقرار رہے۔

---

[1] امتاع الاسماع للمقریزی جلد اول صفحہ ۳۱۲۔

[2] ایضاً صفحہ ۱۶ام، ۷ام، تا ۱۸۱، ابن ہشام صفحہ ۸۶۹، ۸۷۳، ابن سعد جلد دوم حصہ اول صفحہ (۱۱۴) الروض الانف للسہیلی ۲/۳۰۱ وغیرہ۔

[3] ابن ہشام صفحہ ۸۶۹ - [4] امتاع الاسماع جلد اول صفحہ ۳۶۶

[5] ایضاً صفحہ ۱۶ام، ۷ام تا ۱۸۱، انساب الاشراف للبلاذری جلد اول۔ (طبع مصر)، صفحہ ۳۶۶۔

دبابے وغیرہ جرش سے (شاید خرید کر) لائے گئے۔ لانے والے کا نام[1] ذوالکفین الدوسی، خالد بن سعید اور یزید زمعہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اختلاف ہے یہ آلات[2] اس زمانے کی اہم ترین ایجادیں تھیں۔

حضور اکرمؐ روحنا فداہ کو اسلام کا سب سے پہلا انجینیر بھی قرار دینا پڑتا ہے قبل اسلام کعبے کی تعمیر میں حصہ لینے کو نظر انداز بھی کیا جائے تو ہجرت کے بعد مسجد قبا اور پھر مسجد نبوی (مدینہ) کی تعمیر ۱ھ ہجری میں حضور کی بنفس نفیس شرکت اور نگرانی وہدایت سے تعمیر ہوئیں۔

اولاً ان کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھنا پڑا۔ اور چند ماہ بعد کعبہ کی طرف جغرافی اٹلاس اور قطب نما کی غیر موجودگی میں یہ رُخ جس صحت کے ساتھ متعین کیے گئے اور یہ ظاہر ستاروں کے مطلع ومغیب[3] کی بنا پر یہ کیا گیا تھا۔ اس پر آدمی کو عش عش کرنا پڑتا ہے اور یہ حیرت اسوقت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں بیسویں صدی عیسوی میں (پہلے جنگ عظیم سے کچھ ہی پہلے) حجاز ریلوے کی تعمیر کے لیے بڑے بڑے ولایت کے تعلیم یافتہ ترکی انجینیر آئے۔ اور اسٹیشن کے

---

[1] امتاع مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۱۔ [2] منجنیق سے وزنی پتھر ایک جھولے کے ذریعے دور پھینکے جاتے تھے یہ (COLAPULTA MECHANICA) کا مخفف ومعرب ہے میکانک اولاً می نیق بنا پھر جمع کے وزن پر نظر آنے سے اس کا واحد منجنیق بنا لیا گیا۔ دبابہ ایک گاڑی ہوتی تھی جس کی چھت بیل کے دبیز چمڑے سے منڈھی ہوتی تھی کہ تیر کارگر نہ ہو۔ اسی قلعہ کی دیوار کے پاس رکھ کر اطمینان سے دیوار کھودتے تھے ضبور انفرادی چھتری سے ہوتی تھی کہ پیٹھ پر تیر نہ لگیں۔ [3] قرآن سورہ ۱۶ آیت ۱۶،

سامنے باب العنبریہ کے پاس ایک نئی مسجد بنائی، اس میں جانمازیں اب تک ترچھی بچھائی جاتی ہیں، کیونکہ ان انجینیروں نے قبلے کا رخ غلط مقرر کیا ہے، حضور اکرمؐ کی اس انجینیری کی مہارت کا مکرر اندازہ جنگ خندق میں بھی ہوا، جب خندق کھودنے کے لئے زمین کی پیمائش کر کے آدمیوں میں تقسیم عمل میں آئی تھی[1]

انہیں فوجی ضرورتوں میں ورزش جسمانی ہے۔ اس پر بھی رسول اکرمؐ کی بڑی توجہ رہی ہے۔ مدینہ منورہ میں درکلہ[2] (نیزہ بازی) اور کرمک[3] (یا کرج ایک طرح کا فٹ بال ہے) عہد نبوی ہی سے رائج ملتے ہیں۔ کشتی لڑنا،[4] وزنی پتھر اٹھانا[5] گھوڑے کی سواری[6] وغیرہ کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ حمل و نقل کی سرعت کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور آدمیوں گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں کی دوڑ کثرت سے کرائی جاتی تھی۔ مدینے میں ایک بڑا میدان تھا جو کاروانوں کی آمد کے دن اونٹوں کے ٹھہرانے کا کام دیتا تو حسب ضرورت گھوڑدوڑ کے میدان کا اس کے ایک سرے پر جو آج کل باب شامی کے باہر کوہ احد کے رخ ہے، رسول اکرمؐ

---

[1] تفصیل اور حوالوں کے لئے دیکھئے میری کتاب عہد نبوی کے میدان جنگ بر موقع۔

[2] لسان العرب (مادہ: درکل) [3] الروض الانف للسہیلی ۲/۴/۳۰۔

[4] مثلاً ابن ہشام صفحہ ۵۶۰

[5] الفروسیہ لابن القیم صفحہ ۷۔

[6] ابوداؤد کتاب الجہاد، باب ۶۲ وغیرہ۔

کھڑے رہتے، اول آنے والے گھوڑوں کی جانچ کرتے (یہاں ایک مسجد السبق یعنی گھوڑ دوڑ کی مسجد اس کی یادگار ہے) اور عموماً پہلے پانچ گھوڑوں کو سرکار کی طرف سے انعام ملتا تھا ۔ حضور اکرم خاص اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو بھی اس مسابقت میں شریک کرایا کرتے۔[1]

**نرسنگ** عورتوں کو خاص کر نرس بننے اور تیمار داری کرنے کی تربیت دلائی جاتی، اور ہر فوجی مہم میں ایسی جو عورتیں شریک ہوتیں انہیں مال غنیمت سے انعام واکرام دے کر حوصلہ افزائی کی جاتی۔

لیکن جیسا کہ ابھی اشارہ ہوا، ابھی ان تمام فنون کی تعلیم کے لئے مدرسے کھولنے کا سوال نہ تھا۔ معمر فن داں سے نوعمر خواہشمند سیکھ لیا کرتے، حکومت صرف انعام واکرام اور شاباشی کے ذریعہ سے حوصلہ افزائی کرتی، رسول اکرم کی دلچسپی کا اندازہ اس مثال سے ہو گا کہ ایک دن کچھ لوگ تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے، اتفاق سے آپ کا گذر ہوا تو دیکھنے ٹھہر گئے اور فرمایا میں فریق الف کے ساتھ ہوں، مارو تیر۔ فریق ب نے کہا ہم آپ

---

[1] سیرۃ الشامی (مخطوطہ) باب گھوڑ دوڑ، نیز بخاری کتاب ۵۶ باب ۵۶ تا ۵۸، نیز کتاب ۹۶ باب ۱۶، حدیث ۱۴۔

[2] انساب الاشراف جلد اول (طبع مصر) ۵۱۰ (گھوڑوں کے لئے)، ایضاً صفحہ ۵۱۲، نیز بخاری کتاب ۵۶ ب ۵۹ (اونٹوں کے لئے)

کے فریق کے خلاف مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔ ارشاد ہوا: اچھا میں دونوں فریقوں کے ساتھ ہوں مقابلہ شروع کر دو۔[1]

ایک حدیث میں یہ دعا ماثور ہے:۔

اَللّٰھُمَّ! اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا طَیِّبًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا[2] — اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم اور پاک روزی اور مقبول عمل کی التجا کرتا ہوں۔

اور اسی دعا پر یہ تبصرہ ختم کیا جاتا ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب ۷۷

[2] جامع بیان العلم لابن عبدالبر ۱/۱۶۲

ختم شد

# ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی دیگر کتابیں

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی "سیرت النبی" پر لکھی ہوئی انگریزی کتاب ہے ۔
دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی زائد از پچاس سالہ تحق[illegible]
نیز رسول اکرم کے پانچ اصل خطوط بنام شہنشاہ ہرقل، نجاشی، کسرا[illegible]
کے فوٹو زینتِ کتاب ہیں ۔ قیمت فی جلد دس روپے ، مجلد گیار[illegible]

۲ - عہد نبوی کے میدانِ جنگ (معہ تصاویر) انگریزی دس روپے ساد[illegible]

۳ - تعارف اسلام انگریزی گیارہ روپے مجلد ۱۲ روپے

۴ - روزہ کیوں ؟ (اردو) ایک روپیہ

۵ - چارٹ تدوین حدیث اردو ۶۵ پیسے

۶ - اسلام اور کمیونزم انگریزی ۱ - ۲۵

۷ - الوثائق السیاسیہ عربی ۲۵ روپے

۸ - دنیا کا پہلا تحریری دستور چارٹ عربی ۵۰ پیسے

ملنے کے پتے

حبیب اینڈ کمپنی مکان نمبر 677 - 4 - 5 گنج منڈی اسٹیشن روڈ حیدرآباد ۱

حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد